آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے | لو تمہیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

مذاہب عالم پر نظر

(جلد ۱۰)
از جنوری سنہ ۱۹۱۱ء تا دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء

ایڈیٹر - مولوی محمد علی صاحب ایم - اے ایل ایل بی
اسسٹنٹ ایڈیٹر مولوی شیر علی صاحب بی - اے

چندہ سالانہ عام عہ
طلباء سے عمر

آؤ لوگو یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا ۔۔۔ بتایا ہم

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۰ | بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۱ء | نمبر ۱

چندہ سالانہ

عوام سے ۔۔۔ طلبا سے ۔۔۔

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - جنوری سنہ ۱۹۱۱ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام ۔۔۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ینابیع الاسلام پر ریویو حصہ ششم

عربی سرچشمے

ینابیع الاسلام کا مصنّف صرف یہی دعویٰ نہیں کرتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی مضامین اور اسلامی اصول یہود۔ نصاریٰ۔ اور اہل فارس سے سیکھے بلکہ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مضامین خود اہل عرب سے بھی حاصل کئے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "چوں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خیال کرو کہ جمیع عادات و رسوم اہل عرب جز بت پرستی و شرک و قتل دختران شان و بعضے چیزہائے قبیح دیگر مثل اینہا از ایام حضرت ابراہیم میان اعراب حفظ کردہ شدہ بود پس بسیارے ازاں عادات و رسوم دینی و اخلاقی را در دین خود نگاہ داشت ..... بعضے از ایشاں از یقطان (قحطان) و بعضے از فرزنداں قطورہ زوجہ دوم حضرت ابراہیم و بعضے از حضرت اسمٰعیل ابن ابراہیم پدید آمدہ بودند کہ میان اینہا خود قوم قریش ازآں سبب مشہور ہستند..... وقتیکہ تقریباً جمیع اقوام وطوائف دیگر جز اہل یہود وحدانیت ذات پاک الٰہی را بالکل فراموش کردند۔ آنگاہ سکنہ ولایتہائے شمالی و مغربی جزیرہ عرب آں عقیدہ را محکم نگاہ داشتند..... و ایں کہ ایں لقب خدائے عزوجل قبل از ایام حضرت محمد میان اہل عرب مشہور و منتشر بود از معلقات سبعہ آں شعرائے عرب کہ قبل از تولد وے یا اقلاً قبل از بعثت آنحضرت (صلعم

ریسہ ندید یدمے آید ازایں روکہ ایشاں اکثر اوقات اسم اللہ را ذکر کردہ اند ....عقیدہ وحدانیت الٰہی میان عرب ہرگز فراموش نشدہ بود...... وعربان جاہلیت چیز ہائے مے کردند کہ شریعت اسلام آنہا را جاری ساخت زیرا مادران ودختران خود را بزنی نمیگرفتند ونزد ایشاں نکاح کردن دو خواہر چیز بسیار زشت شمردہ۔ مے شد وآں شخص کہ بازن پدر عروسی کردہ باشد دشنام دادہ ویرا ضیزن مے نامیدند۔ وحج بیت را نمودہ وعمرہ بجائے مے آوردند... وبعد از جنابت غسل مے کردند وغیرہ وغیرہ " پس اہل عرب عبادت خدائے تعالیٰ را تا بایام حضرت محمد نگاہداشتہ مقر وحدانیت ذات اقدس الٰہی بودند..... حاصل کلام اینکہ ینبوع اوّل دین اسلام آں عادات ورسوم وعقاید مذہبی بودہ است کہ در ایام حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میان طوایف عرب وخصوصاً میان قریش معمول ومتداول مے بود" یعنی چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خیال تھا کہ اہل عرب کی تمام عادات اور رسومات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے محفوظ چلی آتی ہیں سوائے بُت پرستی۔ شرک۔ دختر کشی اور بعض دیگر قبیح رسوم کے۔ اس لیئے آپ نے اہل عرب کے بہت سے مذہبی خیالات اور رسومات کو اپنے مذہب میں قائم رکھا اہل عرب میں سے بعض قحطان کی اولاد تھے۔ بعض حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد تھے اُنکی بیوی قطورہ میں سے۔ اور بعض حضرت ابراہیم کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی اولاد تھے اور حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں قریش کی قوم سب سے زیادہ مشہور تھی۔ ایسے وقت میں جبکہ دنیا کی قومیں سوائے یہود کے خدائے تعالیٰ کی وحدانیت کو فراموش کر چکی تھیں اُس وقت میں بھی عرب کی شمالی ومغربی قومیں توحید کے عقیدہ پر قائم تھیں اور قصاید سبعہ معلقہ سے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کم از کم آپ کی بعثت سے پہلے تصنیف ہو چکے تھے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ (اللہ کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اہل عرب میں مشہور تھا۔ کیونکہ انکے شعروں میں اللہ تعالیٰ کا نام بہت دفعہ آیا ہے۔ غرض وحدانیت الٰہی کا عقیدہ اہل عرب میں بالکل فراموش نہیں ہوا تھا..... اہل عرب میں بہت سی ایسی باتوں کا رواج تھا جو اب اسلام میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً وہ اپنی

بیٹیوں اور ماؤں سے نکاح نہیں کرتے تھے اور دو بہنوں سے ایک ہی رشتہ میں نکاح
کرنا بھی اُنکے ہاں معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اور جو شخص اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرتا اُسے
ضیزن کہتے تھے اور یہ لفظ بطور گالی کے استعمال کیا جاتا تھا۔ اہل عرب حج بھی کرتے تھے اور
عمرہ بھی ادا کرتے تھے۔ جنابت کے بعد غسل بھی کرتے تھے۔ اور ایسے ہی اور بہت سی
رسوم اُن میں پائی جاتی تھیں جو اب اسلام میں داخل ہیں مثلاً ختنہ کرنیکی رسم وغیرہ وغیرہ۔
خلاصہ کلام یہ ہے کہ دین اسلام کا ایک سرچشمہ وہ عبادات۔ اعتقادات اور رسومات ہیں جو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اہل عرب میں پائی جاتی تھیں"۔

یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ پادری صاحب نے یہ امر ثابت کرنیکے لیئے اس قدر محنت کیوں اُٹھائی
ہے کہ اسلام میں جو توحید کا عقیدہ سکھایا گیا ہے اور نکاح کے لیئے بعض قیود قائم کیئے
ہیں اور ایسے ہی بعض اسلامی رسمیں مثلاً ختنہ وغیرہ یہ اسلام سے پہلے اہل عرب میں بھی
پائے جاتے تھے۔ اُس کا مدعا تو یہ ثابت کرنا تھا کہ قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں
اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ سچے نبی نہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
بعثت سے پہلے اہل عرب توحید کے عقیدہ سے بےخبر نہ تھے اور اگر وہ ختنہ کی رسم ادا کرتے
تھے اور اگر وہ نکاح کے متعلق بعض قیود کے پابند تھے تو اس سے یہ کسطرح ثابت ہوا کہ
قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی نہیں۔
کیا اُس کا یہ مطلب ہے کہ عرب کے ملک میں جو کلام الٰہی نازل ہوتا۔ اُس میں توحید کی تعلیم کا
نام و نشان نہیں ہونا چاہیئے تھا اور نہ اُن بعض عقائد صحیحہ اور اعمال پاکیزہ کا کچھ بیان ہونا
چاہیئے تھا جن پر اہل عرب پہلے ہی سے کاربند تھے۔ کیا پادری صاحب کے نزدیک آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اس لیئے سچے نبی نہیں ہوسکتے کہ انہوں نے ختنہ کو جاری رکھا جس پر
اہل عرب کا پہلے ہی عمل تھا۔ کیا اُس کے نزدیک عرب کے نبیؐ کو مناسب نہیں تھا کہ وہ توحید
کی تعلیم دیتا۔ کیونکہ اہل عرب وحدانیت الٰہی سے بےخبر نہ تھے؟ کیا پادری صاحب کے
نزدیک عرب کے نبیؐ کو بجائے توحید کے کوئی اور نئی تعلیم پیش کرنی چاہیئے تھی؟ اگر عرب
میں نازل ہونیوالی کلام الٰہی میں بھی ضرور توحید کی تعلیم ہونی چاہیئے تھی تو پھر پادری صاحب

قرآن مجید پر کیوں اعتراض کرتے ہیں اگر عرب کے نبی کے لیئے ضروری تھا کہ وہ ختنہ کا حکم دیتا تو پھر پادری صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں اعتراض کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے ختنہ کی رسم کو قائم رکھا۔ ملک عرب میں توحید کے عقیدہ کا موجود ہونا یا ختنہ کی رسم اور بعض دیگر اسلامی اعمال کا موجود ہونا ہرگز اس امر کی دلیل نہیں ہوسکتے کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ سچے نبی نہیں۔ جب تک یہ نہ دکھایا جاوے کہ عرب کی الہامی کتاب میں یہ تعلیم نہیں ہونی چاہیئے تھی اور عرب کے نبی کو نہیں چاہیئے تھا کہ ان تعالیم اور اعمال کو اپنے مذہب میں داخل کرتا۔ جب خود پادری صاحب کے عقیدہ کے مطابق ایک سچی الہامی کتاب میں توحید کی تعلیم ہونی چاہیئے تھی اور سچے نبی کے لیئے ضروری تھا کہ وہ توحید کی طرف بُلاتا اور ایسا ہی ختنہ وغیرہ رسومات کو جائز ٹھہراتا خواہ ان تعالیم اور اعمال کا وجود پہلے ہی ملک عرب میں بطور نشان کے پایا جاتا تو پھر پادری صاحب قرآن مجید پر کیوں اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں وہ تعالیم پائی جاتی ہیں جن کا وجود پہلے بھی موجود تھا۔ کیا عرب کے الہامی کلام میں توحید کی تعلیم نہیں ہونی چاہیئے تھی؟ کیا عرب کے نبی کو نکاح وغیرہ کے لیئے قیود قائم نہیں کرنے چاہیئے تھے؟ جب قرآن شریف نے وہی تعلیم دی جو ایک الہامی کتاب میں لابدی طور پر ہونی چاہیئے تھی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی امور کو جائز یا ناجائز ٹھہرایا جو ایک سچے نبی کو جائز یا ناجائز ٹھہرانے چاہیئے تھا تو پھر معلوم نہیں کہ پادری صاحب کیوں اس قدر زور لگاتے ہیں کہ توحید کی تعلیم عرب میں پائی جاتی تھی اور ختنہ پر بھی عمل ہوتا تھا اور بعض مسائل متعلقہ نکاح پر بھی اہل عرب کاربند تھے۔ مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسا کرنے سے پادری صاحب کی کونسی غرض پوری ہوتی ہے۔ ان تعالیم اور اعمال کا ملک عرب میں پہلے سے موجود ہونا صرف ایک ہی صورت میں پادری صاحب کے لیئے مفید ہوسکتا تھا اور وہ صورت یہ ہے کہ پادری صاحب یہ ثابت کرتے کہ یہ تعالیم ایسی ہیں کہ ایک الہامی کتاب میں ان کا وجود نہیں ہونا چاہیئے تھا اور ایک نبی کی شان کے لائق نہیں

تھا کہ وہ ان ہدایات کو جاری کرتا۔ جبکہ کوئی الہامی کتاب ایسی تعالیم سے خالی نہیں ہو سکتی
تھی اور کوئی ایسا رسول نہیں ہو سکتا تھا کہ توحید وغیرہ تعالیم پر زور نہ دیتا تو پھر پادری
صاحب کی عقل پر تعجب آتا ہے کہ وہ انہی امور کو جو لابدی طور پر ایک الہامی کتاب کے
اندر پائے جانے چاہیئے تھے اور ایک نبی کی تعلیم میں شامل ہونے چاہیئے تھے
پادری صاحب انہی امور کو اپنے اس دعوے کی تائید میں بطور ثبوت کے پیش کر رہے ہیں
کہ قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کے
رسول نہیں۔ پادری صاحب کی سمجھ پر افسوس آتا ہے کہ وہی امور جو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت ہیں وہ انہی امور کو آپ کی عدم صداقت کے ثبوت میں پیش
کر رہا ہے۔ میں پھر پادری صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کیا ایک الہامی کتاب میں توحید کی
تعلیم نہیں ہونی چاہیئے تھی؟ اگر ان میں کچھ انصاف کا حصہ ہے تو وہ یقیناً یہ شہادت
دینگے کہ الہامی کتاب میں ضروری تھا کہ توحید کی تعلیم ہوتی۔ جب ایک الہامی کتاب توحید
کی تعلیم سے اور دوسرے مسائل مثلاً قیود نکاح وغیرہ جن کا ذکر پادری صاحب کرتے
ہیں خالی نہیں ہو سکتی تھی تو پھر کیا ضروری نہیں تھا کہ قرآن مجید میں جو الہامی ہونے کا
دعویٰ کرتا ہے یہ تعالیم پائی جاتیں جب قرآن مجید کے الہامی ہونے کیلئے ضروری تھا
کہ اُس میں یہ تعالیم ہوتیں اور جب وہ ان تعالیم سے کسی طرح خالی نہیں ہو سکتا تھا بلکہ ضروری
تھا کہ وہ ان تعالیم پر خصوصیت سے زور دیتا تو پھر پادری صاحب کیوں بیہودہ طور پر زور
لگا رہے ہیں کہ قرآن مجید میں ان تعالیم کا ہونا اُس کے انسانی کلام ہونے کا ثبوت ہے۔
ہاں وہ اُس صورت میں یہ زور دے سکتے تھے جب وہ یہ ثابت کرتے کہ یہ بُری تعالیم ہیں
اور ایک الہامی کتاب کو ایسی تعالیم سے پاک ہونا چاہیئے تھا مگر وہ ایسا ثابت نہیں کر سکتے
بلکہ یہ ایسی تعالیم ہیں کہ ایک الہامی کتاب ان سے خالی نہیں ہو سکتی تھی اور اس طرح
قرآن مجید میں ان تعالیم کا ہونا اُس کے الہامی ہونیکا ایک یقینی ثبوت ہے مگر پادری صاحب
کی عقل کو دیکھیئے کہ وہ اسی امر کو قرآن شریف کے غیر الہامی ہونیکا ثبوت خیال کرتا ہے۔
اس امر کو زیادہ واضح کرنے کیلئے میں پادری صاحب کی توجہ توریت کے دس

احکام کی طرف پھیرتا ہوں۔ پادری ٹسڈل ان دس احکام کو خدائے تعالیٰ کا یقینی کلام سمجھتا ہے بلکہ وہ اُن کو خداوند خدا کی اپنی اُنگلیوں کی نوشت یقین کرتا ہے۔ اب اُن دس احکام میں لکھا ہے کہ خداوند خدا واحد خدا ہے اُس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ پھر لکھا ہے کہ کسی کا خون نہ کیا جائے۔ زنا نہ کیا جاوے۔ چوری اور جھوٹی گواہی سے پرہیز کیجاوے۔ پڑوسی کی بیوی یا اُس کے مال کا لالچ نہ کیا جاوے۔ ماں اور باپ کی عزت کی جاوے اب میں پادری صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کیا ان احکام کے نزول سے پہلے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور اُن کی قوم ان تعلیمات سے بے خبر تھے۔ کیا اُن کو خدائے تعالیٰ کی وحدانیت کا علم نہ تھا؟ کیا وہ ناحق کسی انسان کا خون کرنا جائز سمجھتے تھے؟ کیا انکے نزدیک زنا۔ چوری اور جھوٹی گواہی جائز تھے؟ کیا وہ پڑوسی کی بیوی اور اُسکے مال کو لینا جائز سمجھتے تھے؟ کیا وہ ماں باپ کی ہتک کرنا موجب ثواب سمجھتے تھے؟ مگر باوجود اسکے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارون اور اُن کی قوم کو پہلے ہی سے ان سب امور کا علم تھا اور جو چیزیں ان احکام میں ناجائز ٹھہرائی گئی ہیں وہ پہلے ہی سے ان کو ناجائز سمجھتے تھے مگر پھر بھی پادری ٹسڈل صاحب ان کو خداوند خدا کا کلام سمجھتا ہے۔ پس اگر خدائے تعالیٰ ان احکام کو بذریعہ وحی نازل کرسکتا تھا باوجودیکہ بنی اسرائیل کو پہلے سے ان امور کا علم تھا تو کیا وہی خدائے تعالیٰ قرآن مجید میں توحید کی تعلیم اور نکاح کے احکام کو نازل نہیں کرسکتا تھا خواہ یہ مان بھی لیا جاوے کہ اہل عرب کو ان امور کا پہلے سے علم تھا۔

مگر سچ یہ ہے کہ جس خدا کو قرآن شریف نے پیش کیا ہے عرب کے رہنے والے اُس خدا سے محض بے خبر تھے۔ پادری ٹسڈل لکھتا ہے کہ عرب کے رہنے والے اللہ کے نام کو جانتے تھے اور اُن کے شعراء کی تصانیف میں یہ نام کثرت سے پایا جاتا ہے مگر صرف یہ امر کہ عرب کے رہنے والے ایک اعلیٰ ہستی کو مانتے تھے جس کو وہ اللہ کے نام سے پکارتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چنداں مفید نہیں ہوسکتا تھا مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا جب پادری ٹسڈل کہتا ہے کہ خدا کی ہستی کا خیال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب سے سیکھا

کیا اُس کی یہ مراد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خود فطرتی طور پر خدا [illegible] دی ہے اور اگر آپ کے ہم عصر مشرکین کا وجود نہ ہوتا تو آپ ہستی باری کے علم سے محض بے خبر رہتے ؟ صرف اس امر کیلئے کہ خدا ہے آپ کو کسی ہم عصر کی امداد کی ضرورت نہ تھی۔ یہ امر تو ہر ایک سلیم الفطرت انسان کے دل پر لکھا ہوا ہے اور یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک فطرت کے صفحہ پر بھی نہایت صفائی سے لکھا ہوا تھا۔ مگر خدائے تعالیٰ کے صفات اور اس کے حقوق کی تفصیل ایک ایسی چیز ہے کہ اس کا پورا پورا علم بغیر وحی الٰہی کی امداد کے کامل طور پر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اہل عرب کو ضرور اس بات کا علم ہو گا کہ ایک اعلیٰ ہستی ہے جس کا نام اللہ ہے مگر وہ اُس ہستی کی قدرت۔ اُس کے علم۔ اُس کی قدوسیت اور اُسکی دیگر صفات سے بے خبر تھے اور وہ اُن حقوق خداوندی کو نہیں جانتے تھے جو انسان کے ذمہ ہیں۔ اس لیئے اس امر کے جانچنے کیلئے کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب سے کچھ اخذ کیا ہمیں صرف ہستی باری پر بس نہیں کرنی چاہیئے بلکہ صفات باری پر بھی غور کرنا چاہیئے اور اُن حقوق الٰہی پر جو انسان کے ذمہ ہیں اور اُس رشتہ پر جو انسان کو خدا کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ یہ ایسے امور ہیں کہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہموطنوں سے کسی قسم کی امداد کی اُمید نہیں کر سکتے تھے۔ ناظرین کو اُس نقشہ پر غور کرنا چاہیئے جو قرآن شریف نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا کھینچا ہے۔ جو تصویر خدائے تعالیٰ کی قرآن شریف میں کھینچی گئی ہے وہ کیسی خوبصورت ہے۔ کیسی حسین ہے۔ کسطرح ہر ایک نقص سے پاک ہے۔ کسطرح ہر ایک خوبی اپنے اندر رکھتی ہے۔ چینی جنرل گارڈن کا مشہور قول کیسا سچّا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ " میں ایک مسلمان کو پسند کرتا ہوں۔ وہ اپنے خدا کی وجہ سے شرمندہ نہیں ہوتا " کیا وجہ ہے کہ ایک مسلمان کو اپنے خدا کے سبب سے شرمندہ نہیں ہونا پڑتا۔ وجہ صاف ہے۔ اُس کا خدا ہر ایک عیب سے پاک ہے اور ہر ایک خوبی اپنے اندر رکھتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ مسلمان کسی مجلس میں اپنے خدا کو پیش کر کے شرمندہ نہیں ہوتا بلکہ اُس کا خدا ایسا ہے کہ ہر ایک مجلس میں فخر کے ساتھ وہ اُس کو پیش کر سکتا ہے۔ نہ اُس کا خدا ایسا کمزور ہے کہ وہ روح۔ یا مادہ کے پیدا کرنے

ـــے نہ ۔۔۔ نہ ایسا محدود ہے کہ ایک انسان کی شکل میں ڈھل سکے اور وہ اس سے پاک ہے کہ کسی عورت کے پیٹ میں داخل ہو اور عام انسانی بچوں کی طرح چلاتا ہوا ایک ماں کے پیٹ سے نکلے یہی وجہ ہے کہ مسلمان اپنے خدا کی وجہ سے کبھی نہیں شرماتا۔ راڈول مترجم قرآن لکھتا ہے "ہم اس امر کا اقرار کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی جو تصویر قرآن نے اس کی قدرت۔ اس کے علم۔ اس کی عالمگیر ربوبیت اور اس کی وحدانیت کے لحاظ سے کھینچی ہے اس کی وجہ سے قرآن مجید نہایت ہی اعلیٰ تعریف کا مستحق ہے۔ ربّ السّمٰوٰت والارض۔ پر جو بھروسہ اور ایمان قرآن مجید میں پایا جاتا ہے وہ نہایت گہرا اور سرگرم ہے۔"

قرآن مجید میں جو نقشہ صفات باری کا پیش کیا گیا ہے اس کو دیکھکر صاف یہ نتیجہ نکلتا کہ ایسا نقشہ نہ عرب والوں سے حاصل کیا گیا اور نہ کسی اور انسانی چشمہ سے اخذ کیا گیا بلکہ یہ نقشہ خود خدائے تعالیٰ کی وحی نے کھینچا ہے۔

حجر اسود پادری صاحب لکھتے ہیں "اما عادت بوسیدن حجر الاسود کہ بت پرستان قدیم آنرا بطور عبادت مے کردند چونکہ آنرا یکے از سنگہائے بہشت می انگاشتند آں عادت نزد اہل عرب چناں پسند آمدہ بود کہ حضرت محمدؐ نتوانست ایشانرا ازاں رسم ممانعت نماید و ازاں جہت است کہ حاجیاں تا بحال آں سنگ را مے بوسند۔"

یعنی اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب کی تمام بت پرستیوں کو ترک کر دیا مگر حجر اسود کے چومنے کی عادت کو ترک نہ کیا جس کی قدیم بت پرست اس طریق سے عبادت کرتے تھے۔ چونکہ اس پتھر کو وہ بہشتی پتھر سمجھتے تھے اس لیئے یہ عادت انکو اس قدر مرغوب تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عادت کو روک نہیں سکتے تھے۔ اس لیئے حاجی لوگ ابتک اس پتھر کو بوسہ دیتے ہیں۔ اوّل تو پادری صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ بوسہ دینا عبادت میں شامل نہیں۔ کیا پادری صاحب نے اپنے بچّوں کو کبھی بوسہ نہیں دیا؟ تو پھر کیا ہمیں کہنا چاہیئے کہ پادری صاحب اپنے بچّوں کی عبادت یا پرستش یا پوجا یا ورشپ کرتے ہیں؟ کیا یہ کہنا جائز ہے کہ مرد اپنی منکوحہ بیوی کی پرستش کرتا ہے؟ بلکہ بوسہ کے لیئے تو مسیحی

صاحبان کے نزدیک نکاح کی شرط ضروری نہیں۔ وہ تو غیر محرم عورت سے .ن پا صحبت کا بوسہ لینا جائز سمجھتے ہیں۔ تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسیحی صاحبان ہر ایک عورت کی پرستش جائز سمجھتے ہیں خواہ وہ عورت محرم ہو یا غیر محرم؟ پادری صاحب بتلائیں کہ عبادت کی کیا تعریف ہے؟ عبادت میں تین چیزیں شامل ہیں (۱) حمد اور تعریف جسے ہندو لوگ اُستتی کہتے ہیں (۲) دعا جسے ہندو پرارتھنا کہتے ہیں (۳) دھیان جسے ہندو اُپاشنا کہتے ہیں۔ حجر اسود کے متعلق ان تینوں چیزوں میں سے کوئی چیز بھی نہیں کی جاتی۔ مسلمان نہ اُس کی تعریف کرتے ہیں۔ نہ اُس سے کوئی دعا مانگتے ہیں اور نہ اُس کا دھیان کرتے ہیں۔ کسی اسلامی عبادت میں اس پتھر کا ذکر بھی نہیں۔ بلکہ خود مکّہ کا بھی کسی عبادت میں ذکر نہیں۔ مسلمان اس پتھر سے نہ کسی سزا کا خوف رکھتے ہیں اور نہ کسی انعام کی اُمید رکھتے ہیں۔

پیشتر اس کے کہ مَیں یہ بیان کروں کہ یہ پتھر کعبہ میں کیوں رکھا گیا اور اُس کے چُومنے میں کیا سرّ ہے مَیں یہ ظاہر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ پادری صاحب نے یہ جھوٹ بولا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کے چُومنے یا چھُونے کو اس لیئے نہیں روکا کہ اہل عرب اس پتھر سے سخت محبت رکھتے تھے اور آپ کو خوف تھا کہ اگر آپ اس پتھر کے بوسہ دینے کو روکیں گے تو لوگ منحرف ہو جاوینگے اور آپ کا کہنا نہیں مانیں گے۔ جو شخص ایسا کہتا ہے وہ نابینا ہے اور وہ اُس تبدیلی کو نہیں دیکھتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے آپکے اَتباع میں پیدا کر دی تھی۔ ایسا کہنے والا نہیں جانتا کہ آپکے اَتباع آپ کی تعلیم کی برکت سے توحید کے کیسے فدائی ہو گئے تھے اور ہر ایک رنگ کے شرک اور غیر اللہ کی پرستش سے کیسے متنفر ہو گئے تھے۔ جس قدر پہلے شرک اور بُت پرستی سے اُنکو محبت تھی اُس سے بڑھکر اب اُنہیں اِن چیزوں سے نفرت تھی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حجر اسود کو چُومتے ہوئے نہ دیکھتے تو وہ خود بخود اس پتھر کا چُومنا ترک کر دیتے خواہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو ایسا کرنے کا حکم بھی نہ دیتے۔ اب اگر مسلمان اُسے چُومتے ہیں تو وہ اس لیئے نہیں چُومتے کہ اُن کو اس پتھر سے کوئی مشرکانہ محبت ہے

بلکہ صرف اس لیئے چومتے ہیں کہ اُن کے نبی نے ایسا کیا۔ وہ اپنے نبی کے ایسے فدائی ہیں کہ آپکے ہر ایک فعل کی پیروی کرنا اُن کے روح کی غذا ہے۔ جو لوگ حجر اسود کی پرستش کا الزام مسلمانوں کے ذمہ لگاتے ہیں اُنکو چاہیئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشہور قول پر غور کریں۔ آپنے حجر اسود کو چوم کر فرمایا انی اعلم انك حجر لا تضر ولا تنفع و لولا انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبلك ما قبلتك۔ یعنی میں جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے جو نہ ضرر پہنچا نیکے قابل ہے اور نہ کسی کو کچھ نفع پہنچا سکتا ہے اور اگر میں اللہ کے رسول کو (جس پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں اور سلامتی نازل فرمائے) تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں ہرگز تجھے نہ چومتا۔ یہ الفاظ اُس انقلاب کا نتیجہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے آپکے ہم عصروں کے اعتقادات میں پیدا کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کسی شخص نے حجر اسود کو مخاطب کر کے یہ الفاظ نہیں کہے جو حضرت عمرؓ نے کہے۔ یہ الفاظ اُس توحید کی تعلیم کا نتیجہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فائدہ اُٹھانیوالوں کے رگ و ریشہ میں اثر کر گئی تھی اور جس خیال کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِن الفاظ میں اظہار کیا وہ صرف حضرت عمرؓ تک محدود نہ تھا انہوں نے یہ کہکر نہ صرف اپنے دل کے خیال کو ظاہر کیا بلکہ ہر ایک مسلمان کے دل کے خیال کو ظاہر کیا ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں نے حجر اسود کو چوما تو انہوں نے اپنی مرضی کے برخلاف اسے چوما۔ اُنہوں نے اس لیئے اُسے نہیں چوما کہ اُن کو اس پتھر سے مشرکانہ محبت تھی بلکہ اُنہوں نے صرف اپنے آقا اور ہادی کے نمونہ کی پیروی کرنیکے لیئے اُسے چوما۔ ٹسڈل کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو چھونے یا چومنے کی رسم کو اس لیئے جاری رکھا کہ لوگوں کی شدید محبت کی وجہ سے وہ اُسے روک نہیں سکتے تھے مگر واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ آپنے لوگوں کے خیالات میں ایسی عجیب تبدیلی پیدا کر دی تھی کہ اگر آپ چومکر اُن کے لیئے ایک نمونہ قائم نہ کر دیتے تو لوگ خود بخود اس کا چومنا ترک کر دیتے۔ آپنے حجر اسود کے چھونے یا چومنے کے فعل کو اس لیئے قائم نہیں رکھا کہ لوگوں کو اس سے شدید محبت

تھی اور وہ اس فعل کو ترک نہیں کر سکتے تھے بلکہ آپ نے اس فعل کو قائم رکھا باوجودیکہ آپ کی تعلیم کی برکت سے لوگ اس بات کو پسند کرتے تے کہ یہ فعل ترک کر دیا جاوے۔ آپ نے یہ فعل لوگوں کی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیئے قائم نہیں رکھا بلکہ آپ نے لوگوں کے میلان کے برخلاف اس فعل کو قائم رکھا۔ اس لیئے پادری ٹسڈل کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ آپ نے اس رسم کو اس لیئے جاری رکھا کہ وہ ڈرتے تھے کہ لوگ اس رسم کو کسی صورت میں ترک کرنا پسند نہیں کریں گے۔

اب میں اس سوال کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ یہ پتھر کعبہ میں قدیم سے کس غرض سے رکھا گیا تھا اور اس کے چھونے یا چومنے میں کیا راز مخفی تھا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ پتھر تصویری زبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیشگوئی تھی۔ یہ پتھر جو قدیم سے کعبہ میں دھرا تھا یہ اُس پیشگوئی کا نقشہ تھا جو ۱۱۸ زبور آیت ۲۲ و ۲۳ میں لکھی ہے اور جس کے الفاظ یہ ہیں۔ "وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا وہی کونے کا سرا ہوا"۔ اہل عرب ایک اَن پڑھ قوم تھے جن کے پاس کوئی الہامی کتاب موجود نہ تھی۔ اس لیئے اُنکو بجائے تحریری پیشگوئی کے ایک تصویری پیشگوئی ایک پتھر کی شکل میں دی گئی۔ اور قدیم زمانہ میں تحریر کا کام تصویر سے لیا جاتا تھا سو اُسی طریق کے مطابق تصویری زبان میں اُن کو ایک پیشگوئی دی گئی۔ وہ پتھر اُسی نبی کا نشان تھا جس کی خبر یسعیاہ باب ۲۸۔ آیت ۱۶ و ۱۷۔ زبور ۱۱۸۔ آیت ۲۲ و ۲۳ اور متی باب ۲۱۔ آیت ۴۲۔۴۴ میں دی گئی تھی۔ اور وہ پتھر کعبہ کی عمارت کے کونے میں رکھا گیا تھا تا وہ اس بات کا نشان ہو کہ وہ موعود نبی کونے کا سرا ہوگا۔ یہ وہی پتھر تھا جس کی نسبت مسیح علیہ السلام نے فرمایا "کیا تم نے نوشتوں میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو راجگیروں نے ناپسند کیا وہی کونے کا سرا ہوا یہ خداوند کی طرف سے ہے اور ہماری نظروں میں عجیب"۔ یہ وہی پتھر تھا جس کی نسبت یسعیاہ نبی نے فرمایا "خداوند یہوواہ یوں فرماتا ہے دیکھو میں صیہون میں بنیاد کے لیئے ایک پتھر رکھوں گا ایک آزمایا ہوا پتھر۔ کونے کے سرے کا۔ ایک مہنگ مولا۔ ایک مضبوط نیو والا پتھر۔ اُسپر جو ایمان لاویگا تاولی

نہ کرے گا۔“ ہاں میں کہتا ہوں یہ وہی پتھر تھا جس کو نبوکد نضر نے اپنے مشہور و معروف رؤیا
میں دیکھا جس نے مورت پر گر کر اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور پھر وہ ایک بڑا پہاڑ بن گیا۔
(دانیال۔ ۲ باب) ان پیشگوئیوں کی جو تصویر کعبہ میں بنائی گئی اُس سے بڑھ کر صحیح تصویر
بنانا محال ہے۔ ایک پتھر کو کعبہ کے کونے میں رکھا گیا۔ اور پھر اُس کو اُس شہر میں جہاں سے
وہ موعود نبی ظاہر ہونیوالا تھا رکھا گیا۔ اور اسطرح وہ پتھر بزبانِ حال یہ کہہ رہا تھا کہ میں وہ پتھر
ہوں جسکی نسبت انبیاءؑ نے یہ گواہی دی ہے کہ وہ پتھر جسے معماروں نے ناپسند کیا وہی
کونے کا سرا ہوا۔ اور میرا کعبہ میں رکھا جانا اس امر کی علامت ہے کہ وہ موعود پتھر اسی شہر
سے ظاہر ہوگا۔ پھر اس پتھر کا نام تھا یمین الرحمٰن یعنی رحمٰن کا دایاں ہاتھ اور اُس پتھر
کا چھونا یا چومنا اس بات کا نشان تھا کہ جب وہ موعود نبی ظاہر ہوگا تو لوگوں کا فرض ہوگا کہ
اُس کے دائیں ہاتھ پر بیعت کریں اور وہ بیعت اُس کے دائیں ہاتھ پر نہیں ہوگی
بلکہ یمین الرحمٰن یعنی رحمٰن کے دائیں ہاتھ پر ہوگی۔ چنانچہ اسی کے مطابق اس نبی نے
یہ دعویٰ بھی کیا کہ جو لوگ میرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ میرے ہاتھ پر بیعت نہیں
کرتے بلکہ خدائے تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں اور یہ میرا ہاتھ نہیں ہوتا جو اُن کے ہاتھوں
کو اپنے اندر لپیٹتا ہے بلکہ وہ خدائے تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے جو اُن کے ہاتھوں کے اوپر
ہوتا ہے۔ دیکھو قرآن شریف میں کیا لکھا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا
یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ یعنی سوائے اس کے نہیں کہ جو لوگ
تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ خود اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ خدائے
تعالیٰ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہوتا ہے (سورہ الفتح۔ رکوع ۱) تصویری زبان میں
پیشگوئیوں کا ہونا خود مسیحی صاحبان کے نزدیک ایک مسلم امر ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ
جانوروں کی قربانی کا حکم اس لیئے دیا گیا تھا تاکہ یہ قربانیاں مسیحؑ کی قربانی کا ایک نشان ہوں
بلکہ خود ختنہ کی رسم مسیحی صاحبان کے نزدیک ایک ابراہیمی النسل انسان یعنی مریم صدیقہ
کے بیٹے کی قربانی کا ایک نشان تھی۔ اخبار کی مندرجہ ذیل عبارت میں جو پولا ہلانے کا
ذکر ہے مسیحی صاحبان کے نزدیک ہ مسیحؑ کے قبر سے جی کر اُٹھنے کی ایک تصویری پیشگوئی

تھی۔ وہ عبارت حسب ذیل ہے۔

"پھر خداوند نے موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو فرما اور اُن سے کہہ کہ جب تم اُس زمین میں جو مَیں تمھیں دیتا ہوں داخل ہو اور اُس کا غلہ کاٹو تو تم اپنے غلے کے پہلے حاصل میں سے ایک پولا کاہن پاس لاؤ اور وہ اُسے خداوند کے حضور ہلاوے تاکہ وہ تمھاری طرف سے قبول ہووے اور سبت کے دوسرے دن صبح کو کاہن اُسے ہلاوے" (احبار ۲۳-۱۰) پولوس ا- قرنتیوں باب ۱۵ میں لکھتا ہے۔ "پر اب مسیح تو مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے اور اُن میں جو سو گئے ہیں پہلا پھل ہوا" یعنی جطرح احبار کے رُو سے پہلا حاصل یا پہلا پھل کل فصل کو پاک کر دیتا ہے اسی طرح مسیح کا جی اُٹھنا جو سبت کے دوسرے دن صبح کو واقع ہوا کُل ایمانداروں کو پاک کر دیتا ہے۔

اسی طرح مسیحی صاحبان کے نزدیک جن بارہ پتھروں کا ذکر یوشع کی کتاب کی مندرجہ ذیل عبارت میں ہے وہ بارہ حواریوں کے لیئے بطور تصویری پیشگوئی کے تھے۔ وہ عبارت حسب ذیل ہے۔ "تب یشوع نے اُن بارہ مردوں کو جنھیں اُس نے بنی اسرائیل میں سے فرقہ پیچھے ایک ایک مرد کر کے تیار کیا تھا بلایا اور یشوع نے انہیں کہا کہ یردن کے بیچ خداوند اپنے خدا کے عہد کے صندوق کے آگے گذر جاؤ اور ہر ایک تم میں سے بنی اسرائیل کے فرقوں کے شمار کے مطابق ایک ایک پتھر اپنے کاندھے پر اُٹھا وے تاکہ یہ تمھارے درمیان ایک نشان ہو اور جب تمھاری اولاد آیندہ زمانہ میں تم سے پوچھے کہ ان پتھروں سے کیا مراد ہے*

---

* اس سے پایا جاتا ہے کہ اُس زمانہ میں بنی اسرائیل کی تاریخ نہیں لکھی جاتی تھی۔ اسی لیئے اس واقعہ کو قوم میں محفوظ رکھنے کے لیئے بارہ پتھروں کی تجویز اختیار کی گئی۔ یہ پتھر ایک تاریخی واقعہ کو محفوظ رکھنے کیلیئے خیمہ گاہ کے پاس گاڑ دیئے گئے تا یہ واقعہ بطور روایت کے آنیوالی نسلوں تک محفوظ رہے اگر تاریخ لکھنے کا اُسوقت رواج ہوتا تو ایسا نشان رکھنے کی کیا ضرورت تھی پس ثابت ہوا کہ پرانے عہد نامہ کی موجودہ کتابیں سب یشوع بن نون کے زمانہ کے سالہا سال بعد قلمبند کی گئیں اسلیئے حضرت موسیٰؑ یا حضرت یشوعؑ کی طرف ان کتابوں کا منسوب کرنا ایک غلطی ہے۔ منہ

تو تم اُنہیں جواب دو کہ یردن کا پانی خداوند کے عہد کے صندوق کے آگے دو حصے ہو گیا تھا کیونکہ اُسی وقت جس میں وہ یردن سے ہو کے گذرا تب یردن کا پانی دو حصے ہوا۔ (یشوع ۴ باب۔ ورس ۴۔۷)

مسیحی صاحبان کی عادت ہے کہ ہر ایک پیشگوئی کو وہ خواہ مخواہ مروڑ توڑ کر حضرت مسیح ناصری علیہ السلام پر تھوپتے ہیں۔ اسی عادت کے بموجب وہ کونے کے پتھر کی پیشگوئی بھی حضرت مسیح علیہ السلام پر ہی چسپاں کرتے ہیں مگر خود مسیح علیہ السلام کا یہ خیال نہیں تھا۔ باغ کی تمثیل میں وہ پہلے نوکروں کا ذکر کرتے ہیں جن کو باغ کے مالک نے باغبانوں کے پاس بھیجا۔ مگر باغبان اُن نوکروں سے بُری طرح پیش آئے اور باغ کا پھل دینے سے انکار کیا۔ پھر مالک نے اُن باغبانوں کے پاس اپنا بیٹا بھیجا مگر جب مالیوں نے اُس بیٹے کو دیکھا آپس میں کہنے لگے۔ وارث یہی ہے آؤ اسے مار ڈالیں اور انہوں نے اُسے پکڑا اور قتل کر دیا۔ تب مسیح کہتا ہے کہ اس کے بعد مالک اُن مالیوں کو بُری طرح سزا دیگا۔ اور باغ کو اُن سے چھین کر ایک اور قوم کو دیگا جو اُسے موسم پر میوہ پہنچاویں گے۔ مسیح اس تمثیل کو ختم کرنے کے بعد یہود کو مخاطب کر کے کہتا ہے "کیا تم نے نوشتوں میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو راجگیروں نے ناپسند کیا وہی کونے کا سرا ہوا۔ یہ خدا کی طرف سے ہے اور ہماری نظروں میں عجیب۔ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائیگی اور ایک قوم کو جو اُس کے میوے لاوے دیجائیگی۔ جو اُس پتھر پر گرے گا چور ہو جائے گا پر جس پر وہ گرے اُسے پیس ڈالے گا۔" اس تمثیل میں باغ کا مالک خدائے تعالیٰ ہے اور باغ سے مراد نبوت کا باغ ہے اس باغ کے مالی بنی اسرائیل ہیں جن میں نبوت کا سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ قائم کیا گیا اور اُن کو ایک شریعت دی گئی جس پر وہ عمل کریں اور نیکی کا پھل اپنے مالک کو دیں۔ مالک کے نوکر جو ان مالیوں کی طرف بھیجے گئے اُن سے مراد وہ اسرائیلی نبی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے اور بیٹے سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام ہیں جن کو یہود نے پکڑا اور صلیب پر چڑھا کر مُردے کی طرح کر دیا۔ اس طرح بنی اسرائیل نے اپنے تئیں باغی باغبان ثابت کر دیا۔ اب اس بغاوت کی

سزا کا وقت آیا۔ وہ سزا کیا تھی۔ حضرت مسیحؑ کے قول کے مطابق وہ سزا یہ تھی کہ باغ نبوت اُن سے چھین لیا جاتا اور ایک قوم کو دیا جاتا جو وقت پر اپنے میوے ادا کرتی۔ مسیحؑ کے الفاظ میں ایک قوم کا لفظ قابل توجہ ہے کیونکہ اس سے اس تمثیل کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ایک قوم کے لفظ سے پایا جاتا ہے کہ وہ باغ ایک خاص قوم کو . . . . دیا جانا تھا نہ کہ عام طور پر کسی قوم کو۔ بنی اسرائیل اپنی بغاوت کی وجہ سے اُس باغ میں سے نکالے گئے اور وہ باغ ایک ایسی قوم کو دیا گیا جو بنی اسرائیل کی طرح باغی نہیں تھی بلکہ موسم پر باغ کے میوے اپنے مالک کو دیتی تھی۔ دوسرے۔ اس تمثیل سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ باغ کا یہ انتقال بیٹے کے مارا جانیکے بعد واقع ہونا چاہیئے تھا۔ پہلے باغبانوں نے اپنے مالک کے بیٹے کو ذبح کرنیکے بعد اپنے ورثہ کو ضائع کیا اور جیساکہ باغ کا انتقال بیٹے کے مارا جانیکے بعد واقع ہوا ایسا ہی مسیحؑ کی پیشگوئی کے رو سے موعود پتھر کا ظہور بھی بیٹے کے مارا جانے کے بعد ہی ہونا چاہیئے تھا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ دوسری قوم کونسی ہے جو بنی اسرائیل کے بعد نبوت کے باغ کے وارث بنائے گئے اور وہ پتھر کونسا ہے جس کی حضرت مسیحؑ خبر دیتے ہیں۔ اُس دوسری قوم کی نسبت حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں۔ کہ وہ اپنے مالک کو موسم پر میوہ پہنچا دیگی۔ پس یہ دوسری قوم یقیناً بنی اسمٰعیل کی قوم ہے جن کو حضرت مسیحؑ کے بعد یا یوں کہو کہ بیٹے کے مارا جانیکے بعد ایک شریعت دی گئی اُس شریعت کی مانند جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ بنی اسرائیل کو دی گئی تھی۔ یہ بنی اسرائیل کی طرح باغی نہیں تھے بلکہ انہوں نے اُس باغ کی خوب حفاظت کی جو اُن کے سپرد کیا گیا۔ مثال کے طور پر مَیں ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔ باغ نبوت کے پہلے وارثوں یعنی بنی اسرائیل کو جب کہا گیا یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ یعنی کنعان کی زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیئے لکھی ہے تو انہوں نے داخل ہونے سے انکار کیا اور نہایت نامردی سے یہ قابل شرم جواب دیا یٰمُوْسٰۤی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ یعنی اے موسیٰ جب تک پہلی قوم اس زمین میں موجود ہے

ہم کبھی بھی اس میں داخل نہیں ہونگے پس تو اور تیرا رب دونوں جاؤ اور تم دونوں لڑائی کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ مگر جب دوسری قوم کو نبوت کا باغ سونپا گیا تو جب دشمن اُنکے باغ کی تباہی کیلئے ہر طرف سے دوڑا اور اُس نے چاہا کہ اُن کے باغ کو جڑھ سے کاٹ دے۔ اُس وقت اُس چھوٹی سی جماعت کے سردار نے اُن سے بدر کے میدان پر دریافت کیا کہ کیا تم اپنے باغ کی حفاظت کیلئے میرے ساتھ ملکر اس دشمن کا مقابلہ کروگے تو انہوں نے جواب دیا کہ "ہم تجھے وہ جواب نہیں دیتے جو موسیٰؑ کے ساتھیوں نے موسیٰؑ کو دیا بلکہ ہم تیرے دائیں اور تیرے بائیں۔ تیرے آگے اور تیرے پیچھے دشمن کا مقابلہ کریں گے" غرض کُل دنیا گواہ ہے کہ یہ دوسرے باغبان پہلے باغبانوں کی طرح نہیں تھے بلکہ وہ اپنے مالک کے نہایت فرمانبردار تھے اور اُنکو اُن کی فرمانبرداری کی وجہ سے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ کا سرٹیفکیٹ عطا کیا گیا۔

پتھر کی نسبت لکھا ہے کہ جو اُسپر گرے گا چور ہو جائیگا پر جسپر وہ گرے اُسے پیس دیگا۔ ایسا پتھر یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے یعنی وہ نبی جو عرب کی سرزمین میں شہر مکہ کے اندر مسیحؑ سے قریباً ۶۰۰ سال بعد مبعوث ہوا۔ وہ ایک ایسا پتھر تھا جس کی نسبت یہ کہنا بالکل درست ہے کہ جو اُسپر گرا وہ چور ہو گیا پر جس پر وہ گرا اُس نے اُسے بالکل پیس ڈالا۔ یہ علامت صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہے۔ مسیحؑ کی نسبت ایسا کہنا درست نہیں ہو سکتا کیونکہ جب باغی باغبان اُسپر گرے تو بجائے اس کے کہ وہ خود چور ہو جاتے انہوں نے مسیحؑ کو چور کر دیا۔ جیسا انگورستان کی تمثیل میں لکھا ہے انہوں نے اُسکو پکڑا۔ اور انگورستان سے باہر نکالدیا اور اپنے زعم میں اُس کو قتل کر دیا۔ اس لیئے جو کچھ پتھر کی صفت میں لکھا ہے وہ مسیحؑ پر کسی طرح بھی صادق نہیں آسکتا۔ اب اُس کے ساتھ اسمٰعیلی نبیؐ کا مقابلہ کرو۔ جب مدینہ کے یہود اُسپر گرے تو بجائے اس کے کہ وہ اُسے چور کر دیں جیسا کہ انہوں نے ۶۰۰ سال قبل مسیحؑ کو چور کر دیا تھا وہ خود چور ہو گئے۔ جب ابو جہل مکہ کے سرداروں کے ہمراہ ایک زبردست فوج لیکر بڑے گھمنڈ کے ساتھ اس لیئے نکلا کہ اس نبی کو چور کر دے اور اُس کی جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُڑا دے تو اُس وقت کیا ہوا۔ خود مسیحی صاحبان

گواہی دینگے کہ بدر کے میدان پر خود ابوجہل بمعہ اپنے ہمراہی سرداروں کے چُور ہوا اور اسکی ساری جمعیت پاش پاش ہوگئی۔ ابوجہل بڑے زور سے اُس پتھر پر گرا مگر بجائے اس کے کہ وہ اس پتھر کو کچھ نقصان پہنچائے اُس کا اپنا سر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور یہی حال اُس کے ہمرکاب سرداروں کا ہوا۔ ناظرین! اسوقت مجھے وہ خواب یاد آگیا ہے جو ابولہب کی ہمشیرہ عاتکہ نے مکہ میں بدر کی جنگ سے چند روز پہلے دیکھا۔ وہ ایک رات کیا دیکھتی ہے کہ شہر مکہ پر ایک پتھر گرا ہے اور شہر مکہ کا کوئی گھر ایسا نہیں رہا جس پر اُس پتھر کا ٹکڑا نہ گرا ہو۔ یہ خواب چند روز بعد بدر کی لڑائی کے ذریعہ پورا ہوا۔ میں یہاں خود میور کے الفاظ کو نقل کرتا ہوں تا ناظرین کو ایک دشمن کی گواہی سے معلوم ہو کہ شہر مکہ پر اس لڑائی کا کیا اثر ہوا اور پتھر والی خواب کسطرح پوری ہوئی میور لکھتا ہے۔ "جب مکہ میں شکست کی خبر پہنچی تو شہر والوں کے حواس جاتے رہے کچھ عرصہ تک تو جلا دینے والی شرم اور بدلہ لینے کی پیاس نے اُن کو ایسا گنگ کر دیا کہ وہ اپنے درد والم کا اظہار نہ کرسکے.... ایک مہینہ اسطرح گذر گیا۔ مگر اس کے بعد وہ اپنے دُکھ زیادہ دیر تک روک نہ سکے اور آخر زمانہ دراز تک رُکے ہوئے درد کی ایک وحشیانہ چیخ تمام شہر سے پھوٹ نکلی۔ کوئی گھر نہ تھا جس میں کسی مقتول یا اسیر کے لئے آنسو نہ بہائے گئے ہوں اور دانت نہ پیسے گئے ہوں۔ تمام شہر میں صرف ایک ہی گھر تھا جس میں چلانے کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ لوگوں نے ابوسفیان کی بیوی ہندسے دریافت کیا کہ تُو اپنے باپ عتبہ کے لئے اور اپنے چچا کیلئے اور اپنے بھائی کے لئے کیوں آنسو نہیں بہاتی؟ ہندنے جواب دیا کہ اگر آنسو میرے دل کے درد کو دھو سکتے تو میں ضرور آنسو بہاتی مگر ہند کا درد ایسا نہیں کہ آنکھوں کے آنسو اُس کو دھو سکیں۔"

وہ کونسا پتھر تھا جسے عاتکہ نے شہر مکہ پر گرتے ہوئے دیکھا۔ یہ وہی پتھر تھا۔ ہاں یہ وہی پتھر تھا جس کی نسبت حضرت داؤدؑ نے اور حضرت مسیحؑ نے فرمایا کہ جو کوئی اُس پتھر پر گرے گا چُور ہو جائے گا اور جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا۔ جب خیبر کے یہودیوں نے آپ کو اور آپ کی جماعت کو عرب کے قبائل کے ساتھ سازش کرکے تباہ کرنا چاہا تو آپ نے خیبر پر حملہ کیا اور جب وہاں جاکر نزول فرمایا تو یہ کلمات پڑھے خربت خیبر انا اذا نزلنا بساحة قوم فساء

صبب ۔ دین۔ یعنی خیبر تباہ ہوچکا۔ جب ہم کسی مخالف قوم کے صحن میں اُترتے ہیں تو اُن کے لیئے وہ دن بُرا ہوتا ہے۔ آپکے یہ الفاظ مسیحؑ کے الفاظ کا ترجمہ ہیں کیونکہ مسیحؑ نے آپ کی یہ علامت بیان فرمائی تھی کہ جس قوم پر وہ پتھر گرے اُسے پیس ڈالے گا اس لیئے ضروری تھا کہ ایسا ہوتا۔ یہودیوں نے اُس پتھر کا مزہ چکھ لیا اور اُنھوں نے اُس پتھر پر گر کر اپنے آپ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس طرح مسیحؑ کے قول کی صداقت پر اپنی ہلاکت کے ساتھ شہادت دی۔ اور یہ شہادت نہ صرف یہود نے دی بلکہ ہر ایک قوم نے جو اُس پتھر پر گری ٹکڑے ٹکڑے ہوکر زبان حال سے اس امر کی شہادت دی کہ یہ وہی موعود پتھر ہے جس کی نسبت مسیحؑ نے فرمایا تھا کہ جو اُس پتھر پر گرے گا وہ چُور ہو جائے گا اور جسپر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا۔

اس قسم کی گواہی دینے والوں میں ایک ایران کا شہنشاہ خسرو پرویز بھی تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب اُس مغرور بادشاہ کے نام پہنچا تو اُس نے اپنے غرور کے نشہ میں اُس خط کو چاک کر دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اُس کی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس پیشگوئی کا پورا ہونا دنیا کی تاریخ کے صفحہ پر موٹے حروف میں لکھا ہوا اب تک موجود ہے۔ یہ ایسا پتھر تھا کہ جب اُسی خسرو پرویز نے طیش میں آکر یہودیوں کی ترغیب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کے لیئے سپاہی بھیجے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا سے خبر پاکر اُن سپاہیوں کو خبر دی کہ آج رات میرے خداوند نے تمہارے خداوند کو اُسی کے بیٹے کو اُسپر مسلط کرکے قتل کروا دیا ہے۔ چنانچہ وہ سپاہی یہ خبر سنکر واپس عامل یمن کے پاس چلے گئے اور جب اس خبر کا سچا ہونا معلوم ہوا تو وہ عامل بمعہ بہت سے دوسرے لوگوں کے اس معجزہ کو دیکھکر مسلمان ہو گیا۔ غرض اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ نبی جو مکّہ میں ظاہر ہوا وہ درحقیقت ایک ایسا پتھر تھا کہ جو اُسپر گرا چُور ہو گیا اور جس پر وہ گرا اُسے پیس ڈالا۔ جب سے یہ پتھر کی پیشگوئی بنی اسرائیل کے انبیاءؑ نے خدائے تعالیٰ سے الہام پاکر شائع کی کوئی نبی سوائے مکّی نبی فداہ امی وابی کے ایسا ظاہر نہیں ہوا جسپر یہ الفاظ صادق آئیں کہ جو اُس پر گرے گا چُور ہو جائیگا اور جسپر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالیگا۔ صرف ایک ہی نبی ایسا ظاہر ہوا اور وہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اسی نبی

کے وقت میں انگورستان پہلے باغبانوں یعنی بنی اسرائیل کے خاندان سے لیا گیا اور ایک دوسری قوم یعنی بنی اسمٰعیل کو دیا گیا۔ بنی اسرائیل کا آخری نبی یعنی حضرت مسیحؑ بے شک ماں کی طرف سے اسرائیلی تھے مگر اسرائیلی باپ نہیں رکھتے تھے۔ اُن کا بے باپ ایک اسرائیلی عورت (صدیقہؓ) کے پیٹ سے پیدا ہونا اس بات کا نشان تھا کہ اب نبوت کا باغ خاندان اسرائیل سے منتقل ہونے کو ہے۔ حضرت مسیحؑ تو صرف ماں کی طرف سے اسرائیلی تھے اور باپ کی طرف سے اسرائیلی نہ تھے مگر جو نبی اُن کے بعد آیا وہ نہ ماں کی طرف سے اسرائیلی تھا اور نہ باپ کی طرف سے اور اس طرح وہ نبوت کا باغ جو صدہا سال تک خاندان اسرائیل کے قبضہ میں رہا اُن سے منتقل ہو کر ایک دوسری قوم کو دیا گیا جو بنی اسمٰعیل کی قوم تھی اور جن کی نسبت قدیم سے توریت میں وعدہ موجود تھا جس کا ذکر میں اسوقت بخوف طوالت یہاں نہیں کر سکتا۔ بنی اسرائیل میں ایک ایسے نبی کا پیدا ہونا جو اسرائیلی باپ نہیں رکھتا تھا بنی اسرائیل کے لیئے ایک تنبیہ تھی کہ اب عنقریب نبوت کا انعام اُن سے چھین لیا جاوے گا۔ بغیر باپ کے ایک نبی کا پیدا ہونا الٰہی ناراضگی کا ایک نشان تھا کیونکہ اس سے پایا جاتا تھا کہ اب بنی اسرائیل اس قابل نہیں کہ اُن میں سے کوئی شخص ایک نبی کا باپ ہو۔ اور یہ کہ وہ ایسے بگڑ چکے ہیں کہ خدائے تعالیٰ یہ مناسب نہیں دیکھتا کہ اُنہیں سے کسی کو ایک نبی کا باپ بنائے۔ یہ غضب الٰہی کی ایک علامت تھی۔ حضرت مسیحؑ نے نہ صرف اپنی پیدائش کے ذریعہ بنی اسرائیل کو اس بات کی خبر دی کہ وہ اب نبوت کے انعام کے مستحق نہیں ہے اور یہ کہ عنقریب یہ انعام اُن سے ہمیشہ کے لیئے چھین لیا جاوے گا بلکہ حضرت مسیحؑ نے صریح الفاظ میں بھی باغ کی تمثیل کے ذریعہ اُن کو بتلا دیا کہ میرے بعد اب نبوت کا باغ تم سے چھین لیا جاوے گا اُس نے اُنکو خبر دی کہ تمہارے مالک نے تمہارے پاس اپنے چاکر یعنی نبی بھیجے اور تم نے اُن سے بُرا سلوک کیا اور جو باغ شریعت الٰہی کا تمھیں دیا گیا تھا اُس کا پھل تم نے اپنے مالک کو ادا نہیں کیا۔ پھر آخر تمہارے مالک نے تمہارے پاس اپنا عزیز بیٹا یعنی مجھے بھیجا مگر تم مجھ سے پہلے کی نسبت زیادہ بدسلوکی کروگے اور مجھے قتل کرنا چاہو گے اس بغاوت کی سزا تمہارا مالک تمھیں یہ دیگا کہ آیندہ کوئی نبی تم میں مبعوث نہیں ہوگا۔ اور یہ باغ تم سے ہمیشہ کیلیئے چھینا جاوے گا اور ایک اور قوم کو دیا جاوے گا جو تمہاری طرح باغی نہ ہوگی بلکہ اپنے پھل موسم پر اپنے مالک کو دیگی۔

[حضرت] مسیح کے بعد جو نبی آیا وہ انکے بھائیوں میں پیدا ہوا جو حضرت اسمٰعیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام کی اولاد تھے اور عرب کے ملک میں آباد تھے۔ یہ وہ قوم تھی جس کو بنی اسرائیل نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ چونکہ اب تک سارے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چھوٹے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی نسل سے پیدا ہوئے تھے اور کوئی نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے مبعوث نہیں ہوا تھا اس لیئے اِن راجگیروں کی قوم نے ہمیشہ اپنے بھائیوں یعنی بنی اسمٰعیل کو حقارت کی آنکھ سے دیکھا اور سمجھا کہ ہم تو خدائے تعالےٰ کے انعامات حاصل کرنے کے لیئے پیدا ہوئے ہیں اور ہمارے بھائی اس قابل نہیں کہ خدائے تعالےٰ اُنپر کوئی انعام کرے۔ اس لیئے خدائے تعالیٰ کی غیرت جوش میں آئی اور وہ آخری نبی جو سب نبیوں سے اپنے کمال میں بڑھا ہوا تھا اور جس نے کونے کا سرا ہونا تھا اُسکو بنی اسمٰعیل میں سے اُٹھایا۔ اسی لیئے حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں کہ جس پتھر کو راجگیروں نے ناپسند کیا وہی کونے کا سرا ہوا اور پھر فرمایا یہ خدا کی طرف سے ہے اور ہماری نظروں میں عجیب۔ یعنی بنی اسرائیل تو ہمیشہ بنی اسمٰعیل کو حقیر سمجھتے رہے ہیں مگر خدائے تعالیٰ نے اُنہی کو نوازا اور کونے کے سرے کو انہی میں سے پیدا کیا یہ خدا کے کام ہیں خدا جسکو چاہے انعام عطا فرماوے۔ بنی اسرائیل کی نظروں میں تو یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ وہ موعود نبی ریگستان میں رہنے والے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بیٹوں میں ہو اور وہ خود جنہیں ہمیشہ نبی مبعوث ہوتے رہے اس انعام سے محروم کیئے جاویں اور نبوت اُن سے ہمیشہ کیلیئے چھینی جاوے اور بنی اسمٰعیل کو جو اُن کی نظروں میں حقیر ہیں دیجاوے جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں "اسلیئے مَیں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لی جاویگی اور ایک **قوم** کو جو اُس کے میوے لاوے دی جائیگی"۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح حضرت داؤد علیہ السلام بھی فرماتے ہیں "یہ خدا سے ہوا جو ہماری نظروں میں عجیب ہے"۔

مسیحی صاحبان اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ یہ دوسری قوم ایسی ہی ثابت ہوئی جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ وہ اپنے وقت پر میوے ادا کریگی اور بنی اسرائیل کی طرح باغی نہ ہوگی اور اُن میں جو نبی پیدا ہوا وہ بھی واقعی ایسا ہی نکلا جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے

اُس کی نسبت فرمایا کہ وہ ایک ایسا پتھر ہوگا کہ جو اُس پر گرے گا وہ چُور ہو جاوے گا اور جس پر وہ گریگا اُسے پیس ڈالے گا۔

یسعیا نبی کی پیشگوئی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ موعود جلد ظاہر ہونیوالا نہیں تھا بلکہ ایک لمبے عرصہ کے بعد ظاہر ہونیوالا تھا۔ کیونکہ وہ لکھتا ہے "اُس پر جو ایمان لاوے اُتاولی نہ کرے گا" یعنی جو شخص اس موعود کے ظہور پر ایمان لاتا ہے اُسے چاہیئے کہ وہ اُتاولی یعنی جلدی نہ کرے بلکہ صبر سے اُس کے ظہور کا انتظار کرے یعنی وہ جلدی ظاہر ہونیوالا نہیں ہے بلکہ ایک عرصہ دراز کے بعد سب نبیوں سے آخر میں ظاہر ہونیوالا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ موعود پتھر ظاہر نہ ہوا جب تک کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور کے بعد ۶۰۰ سال نہ گذر گئے۔ پس ایمانداروں کو اُس کے ظہور کے لیئے ۶۰۰ سال انتظار کرنا پڑا۔ یہ لمبا زمانہ بالکل خالی رہا اور اس عرصہ میں کوئی مامور من اللہ ظاہر نہ ہوا۔ اسی لیئے یسعیا نبیؑ فرماتا ہے کہ وہ جو ایمان لاوے یعنی اس وعدہ کو سچا سمجھنے والا اُسے چاہیئے کہ جلدبازی نہ کرے بلکہ صبر سے انتظار کرے۔

مَیں اسجگہ یہ امر بھی ظاہر کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موعود پتھر یعنی کونے کا پتھر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں مثلی ومثل الانبیاء کمثل قصر احسن بنیانہ۔ ترک منہ موضع لبنۃ الی ان قال فکنت انا سددت موضع اللبنۃ وفی روایۃ فانا تلک اللبنۃ (بخاری ومسلم) یعنی میری اور دوسرے انبیاءؑ کی مثال ایک محل کی سی ہے جس کو بنانیوالے نے خوب بنایا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ پس میں نے اُس خالی جگہ کو پُر کیا ہے اور ایک روائت میں لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں وہ اینٹ ہوں۔

جیسا کہ حضرت مسیحؑ نے ایک باغ کی تمثیل کے ذریعہ بنی اسرائیل سے نبوت چھینا جانے اور بنی اسمٰعیل کو نبوت دیا جانے کی خبر دی ہے ایسا ہی قرآن مجید میں بھی ایک تمثیل کے ذریعہ اس مضمون کو واضح کیا گیا ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا وَ

فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَا اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ۝ وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ۝ وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ فَعَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ۝ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝ (کہف - ۵) یعنی ان لوگوں کو تم ایک تمثیل سناؤ۔ دو آدمی تھے۔ اُن میں سے ایک کے پاس دو انگورستان تھے (مسیح بھی انگورستان ہی کی تمثیل دیتے ہیں) اُن دو انگورستانوں کے گرداگرد کھجوریں تھیں اور اُن دو باغوں کے درمیان کھیتی بھی تھی۔ یہ دونوں باغ اپنا میوہ دیتے اور اُس میوہ میں کچھ کمی نہیں کرتے تھے۔ اُن دونوں انگورستانوں میں ہم نے ندی چلا دی تھی اور اُس باغ والے کو باغ کا پھل ملتا تھا۔ اُس نے اپنے ساتھی سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ تیری نسبت میرے پاس زیادہ مال ہے اور میرا جتھا زیادہ زبردست ہے۔ وہ اپنے باغ میں ایسے حال میں داخل ہوا کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا تھا۔ اور اُس نے کہا کہ میں نہیں گمان کرتا کہ میرا یہ باغ کبھی تباہ ہو۔ اور میں نہیں گمان کرتا کہ کبھی حساب وکتاب کی گھڑی میرے پر آئے اور اگر میں اپنے رب کے پاس گیا بھی تو مجھے اس باغ سے بھی اچھی جگہ ملے گی۔ اُس کے ساتھی نے اُس سے

گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ کیا تُو نے اُس ذات کا انکار کیا ہے جس نے تجھے مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا پھر تجھے ٹھیک ٹھاک کر کے ایک انسان بنایا۔ لیکن مَیں کہتا ہوں کہ وہی اللہ میرا رب ہے اور مَیں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور جب تُو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تُو نے یہ کیوں نہ کہا کہ جو اللہ چاہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی قسم کی قدرت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر تیری نظر میں میرا مال اور میری اولاد تیری نسبت کم ہے تو قریب ہے کہ میرا رب تیرے باغ کی نسبت ایک اچھا باغ مجھے دیدے اور تیرے باغ پر آسمان سے ایک عذاب بھیجے اور تیرا باغ تباہ ہو کر ایک پھسلا دینے والی زمین ہو جاوے یا تیرے باغ کا پانی زمین میں دھس جائے اور تُو پھر پانی کو تلاش نہ کر سکے۔ (سو ایسا ہی ہوا) اور اُس کے پھل کا احاطہ کیا گیا اور جو کچھ اُس نے اُس باغ پر خرچ کیا تھا وہ اُس پر اپنے ہاتھ ملتا رہا۔ اُس کے باغ کی بیلیں اپنی چھتریوں پر گری پڑی تھیں اور وہ کہتا تھا کاش کہ مَیں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا۔ کوئی ایسا جتھہ نہیں تھا جو بجز اللہ تعالیٰ کے اُس کی مدد کرتا۔ اور نہ وہ خود اپنی مدد کر سکا۔ حقیقی مالک اللہ ہی ہے اور وہ حق ہے۔ وہ اچھا بدلہ دیتا ہے اور اچھا نتیجہ پیدا کرتا ہے۔

قرآن شریف کی اس تمثیل کا خلاصہ وہی ہے جو مسیحؑ کی انگورستان کی تمثیل کا خلاصہ ہے۔ جن دو شخصوں کا قرآنی تمثیل میں ذکر ہے وہ بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل ہیں۔ بنی اسرائیل اپنے باغ کی وجہ سے گھمنڈ میں آگئے اور سمجھا کہ ہم ہمیشہ اسی حال میں رہیں گے اور اُنکا باغ کبھی تباہ نہ ہوگا اور جیسا اُن کو اس عالم میں باغ دیا گیا ہے ایسا ہی آخرت میں بھی اُنکے لیئے اچھی جگہ مقرر ہے۔ وہ بجائے شکرگذار ہونے کے مغرور ہو گئے اور اپنے غریب بھائیوں بنی اسمٰعیل پر اپنے باغ نبوت اور کثرتِ انبیاء کا فخر کرنے لگے مگر جو حقوق الٰہی اُنکے ذمہ تھے اُن کو ادا نہ کیا۔ . . . . سو خدا نے ایسا کیا کہ اُنکے باغ کو تباہ کر دیا اور اُن کے غریب بھائیوں کو جن کو وہ حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اُس سے بہتر باغ عطا کیا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی انگورستان کی تمثیل سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ حضرت مسیحؑ سے اور دیگر انبیاءؑ بنی اسرائیل سے نہایت ہی بالاتر ہے

بیوپار ... جو نبی بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اور حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے آئے انکو مالک کے نوکر کرکے پکارا گیا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کو باغ کے مالک کا بیٹا کہکر پکارا گیا ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنیکو خود خدا کے آنے سے تعبیر کیا گیا ہے حضرت مسیح فرماتے ہیں "جب انگورستان کا مالک آوے گا تو ان باغبانوں کے ساتھ کیا کریگا" اس تمثیل سے پایا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے انبیاء کو خدائے تعالیٰ سے وہ نسبت تھی جو ایک وفادار نوکر کو اپنے مالک سے ہوتی ہے مگر حضرت مسیح علیہ السلام کو خدائے تعالیٰ کے حضور میں اس سے بڑھکر قرب حاصل تھا اور اس تعلق کے ظاہر کرنیکے لیئے نوکر کا لفظ کافی نہ تھا۔ اس لیئے اُس قرب کے درجہ کو ظاہر کرنیکے لیئے نوکر سے بڑھکر لفظ استعمال کیا گیا یعنی بیٹے کا لفظ۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اس سے بھی بڑھا ہوا تھا اور بیٹے کا لفظ ہرگز اُس رشتہ کو ظاہر نہیں کرسکتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ سے ایسی شدید یگانگت کا رشتہ تھا کہ اُن کا آنا خود خدائے تعالیٰ کا آنا بیان کیا گیا اُنکی ذات الٰہی صفات کا ایک کامل مظہر تھی اور بیٹے کا لفظ اُنکے درجے سے بالکل گرا ہوا تھا۔ اس لیئے استعارہ کے طور پر اُن کا آنا خود خدائے تعالیٰ کا آنا بیان کیا گیا۔ قرآن شریف بھی اس کی تصدیق فرماتا ہے کیونکہ اُس میں لکھا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ جو لوگ تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ پھر لکھا ہے وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى یعنی مٹھی کنکروں کی تو نے نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نہ حضرت مسیحؑ حقیقی طور پر خدا تعالیٰ کے بیٹے تھے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی طور پر خدا تھے یہ الفاظ صرف استعارہ کے طور پر استعمال کیئے گئے ہیں حقیقت پر انکا حمل کرنا جہالت ہے۔

اس تمثیل میں لکھا ہے کہ باغبانوں نے اپنے مالک کے بیٹے کو مار ڈالا۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعی طور پر حضرت مسیح علیہ السلام نے صلیب پر جان دیدی تھی۔ ہاں انہوں نے انکو صلیب پر چڑھا کر ایسی حالت میں کردیا تھا جو موت کے مشابہ تھی اسلیئے تمثیل میں اُس کو قتل سے تعبیر کرنا بالکل درست ہے۔ اُنہوں نے خود تو قتل کرنے میں کوئی کسر باقی

نہیں رکھی تھی۔ یہ تو ایک الٰہی قدرت کا کرشمہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی جان بچ گئی۔ مگر چونکہ یہودیوں نے اُن کے قتل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا بلکہ صلیب پر چڑھا دیا تھا اور اپنے زعم میں اُن کو قتل بھی کر دیا تھا اس لیئے وہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک مسیحؑ کے قاتل ٹھہر گئے۔ باقی موت سے بچ جانا یہ ایک الگ امر ہے۔ خدائے تعالیٰ نے نہ چاہا کہ ایک راستباز لعنتی موت کا شکار ہو اسلیئے اُس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو بچا لیا گویا مُردوں میں سے پھر زندہ کیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ زبور۔ یسعیا۔ دانیال اور متی میں جو ایک پتھر کے متعلق پیشگوئی ہے اُس کے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کعبہ میں جو قدیم سے ایک پتھر دھرا تھا وہ اسی پیشگوئی کی ایک تصویر تھی اور اُس پتھر کا مکّہ میں رکھا جانا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ وہ موعود نبی اِس شہر سے ظاہر ہوگا اور اُس کا یمین الرحمٰن کے نام سے موسوم ہونا اور اُسکو چھونا یا چومنا اس بات کا ایک نشان تھا کہ جب وہ موعود ظاہر ہو تو لوگوں کو چاہیئے کہ اُس کے دائیں ہاتھ کو چھو کر اُس سے بیعت کا اقرار کریں اور اُس کے ہاتھ پر بیعت خود خدائے تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت ہوگی اور وہ رحمٰن کا مظہر یعنی رحمٰن کی طرح **رحمۃ للعٰلمین** ہوگا جیسا کہ قرآن شریف فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ اس پتھر کا مکّہ میں موجود ہونا اس بات کی ایک بیّن دلیل ہے کہ وہ پتھر کی پیشگوئی جو یسعیا۔ زبور۔ دانیال اور انجیل میں پائی جاتی ہے وہ کسی اور نبی کی نسبت نہ تھی بلکہ ایک ایسے نبی کی طرف اشارہ کرتی تھی جو مکّہ میں پیدا ہونیوالا تھا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر اسکے کہ اُن کو ان پیشگوئیوں کا علم ہو کونے کا پتھر ہونیکا دعوٰی کیا۔ یہ بھی اس بات کی ایک دلیل ہے کہ یہ پیشگوئیاں آپ ہی کے متعلق تھیں۔ اے خدا۔ تو اس کونے کے پتھر پر صلوات۔ سلام۔ رحمتیں اور برکات نازل فرما اور ہمیں اُس کے خدام میں اپنے فضل سے داخل فرما اور دنیا کو ہدایت دے کہ وہ اس یمین الرحمٰن کو پہچانیں اور اُس کی اتباع کا شرف حاصل کریں۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

دین محبت

(مرقومہ شیخ تیمور صاحب۔ ایم۔ اے)

عیسائی لوگوں کے دلوں میں عام شائع شدہ خیال اسلام کی نسبت یہ ہے کہ اسلام ایک ہیبت ناک اور زبردست مذہبی کل ہے جو ظلم اور بے رحمی کے پتلے تیار کرتی رہتی ہے جو روئے زمین پر ہر چیز کو تباہ کرتے ہوئے جان اور عزت کو روندتے ہوئے آباد ملکوں کو ویران کرتے ہوئے آزاد قوموں کو غلام بنا کر شر اور بدامنی پھیلاتے ہیں۔ ہم انہیں کہتے ہیں کہ ہم امن پسند لوگ ہیں ہم تمام قوموں اور تمام رنگ کے لوگوں کو (بلا امتیاز سیاہ وسفید) صلح اور اخوت کا وسیع پیغام دیتے ہیں۔ ہم جنگ نہیں کرتے مگر حفاظت کیلئے۔ جب ہم قوموں کے فاتح بنے تو ہم انکے ساتھ بھائیوں کی طرح سلوک کرتے تھے ہم انکے ہاتھوں میں ان کے ملکوں کی عنان حکومت دیدیتے تھے ہم مفتوح قوموں کو بڑے بڑے عہدے دیتے تھے اور تمھاری اپنی گورنمنٹیں باوجود آزادی اور خود حکومتی کے خیالات کی اشاعت کے غیر لوگوں پر اسقدر اعتبار نہیں کرسکتیں۔ ہم نے اپنے عہد حکومت میں سیاہ وسفید کا فرق مٹا دیا تھا جو تم سے نہیں ہوسکا اور نہ ہوگا۔ اب بھی وہ کہتے ہیں کہ تم ایک خونخوار قوم ہو ہم گہوارے کے زمانے سے یہی سنتے چلے آئے ہیں۔ یہ سچ ہے، تاریکی میں تیز سے تیز آنکھ بھی رنگوں کو نہیں پہچان سکتی۔ موسیٰؑ اور یوشع کی جنگیں دشمنوں کے جان اور مال کا جلا دینا جب مرد عورت بچے اور گھر یکساں بے اعتنائی کے ساتھ راکھ کردیئے جاتے تھے [سلہ] یہ سب درگذر کی جاتی ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہوئیں مگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دفاعی جنگیں بے رحمی کے نمونے سمجھکر دنیا کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ شاید ہمارے عیسائی دوستوں کا یہ مطلب ہے کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے انکے قتل کا منصوبہ کیا تھا تو انہیں چاہیئے تھا کہ اپنے متبعین کو اپنے ہاتھ سے قتل کرکے اپنے آپ کو فتحمند بت پرستوں کے سپرد کردیتے۔ کوئی عقلمند آدمی اس بدنیتی کے مشورہ پر راضی نہیں

سلہ توراۃ میں پوری کیفیت درج ہے کہ کس پر تکلیف بے رحمی کے ساتھ تباہی کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ منہ

ہو سکتا۔ بھلائی اور بُرائی کی باہمی جنگ میں بھلائی کو یہ ابدی حق حاصل ہے کہ وہ بڑھتی ہوئی بُرائی کو کچل ڈالے۔ ہم عیسائیوں کے سامنے رسول خدا کی راست باز۔ نڈر اور صاف گو طرز زندگی کو پیش کرتے ہیں اور ہم انہیں بلاتے ہیں کہ یسوع کی زندگی کا اس سے مقابلہ کرو۔ ہم انہیں اُس عملی نفع کی طرف توجہ دلاتے ہیں جو اسلام نے دنیا کو پہنچایا ہے کہ کس طرح اسلام نے اور صرف اسلام نے ہی خدائے تعالیٰ کی سچی وحدانیت کو اُس کی کامل صفات کے ساتھ دنیا میں شائع کیا ہے اور قائم کر دکھایا ہے اور کس طرح اس نے دنیا کی تمام قوموں کو اپنی آغوش میں پناہ دی ہے اور کس طرح اس نے دنیا کو صحیح آزادی اور اخوت کا خیال بتایا ہے[1] اور یہ عیسائیت نے کیا کیا ہے۔ اس نے ساری قوموں کو شراب کا مزا چکھایا ہے اور تباہ کن زندگیوں کے نمونے قائم کیئے ہیں۔ جب ہم اُن سے اُنکے بڑے بڑے مسائل پر دلائل پوچھتے ہیں تو وہ کہدیتے ہیں کہ ہم نے اُنکو ایمان سے تسلیم کیا ہے نہ کہ عقل سے۔ ایمان بے شک اچھی چیز ہے مگر وہ ایمان کیا ہے جو عقل کی روشنی کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا خدا محبت کا خدا ہے اور جو خدا کہ اسلام پیش کرتا ہے اُس کے سارے قانون جزا و سزا کے اصول پر مبنی ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ عیسائی خدا میں صفت رحم نہیں ہے[2] جسکو ناقص طور پر یسوع پورا کرتا ہے اور یسوع کا رحم بھی وسیع نہیں۔ غیر عیسائیوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور انکے لیئے خدا باپ نے ابدی جہنم مقرر کر رکھا ہے جس سے کبھی نکلنا نہ ہوگا۔ مگر اسلام کا خدا کہتا ہے عذابی اصیب بہ من اشاء ورحمتی وسعت کل شیٔ۔ میرا عذاب جس کو میں ارادہ کرتا ہوں پہنچتا ہے اور میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔

اس مضمون میں میرا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور نبی اسلام صلعم کی محبت اور رحم کا نقشہ پیش کیا جائے اسلام کا اصل مقصد قرآن شریف میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ کنتم خیر

---

[1] علم و عمل دونوں سے۔

[2] یہ عیسائیوں کا اعتقاد ہے کہ خدا باپ میں صفت انصاف ہے، اور رحم نہیں اور یسوع میں رحم ہے اور انصاف نہیں۔ دونوں ناقص ٹھہرے۔

امۃٍ اُخرجت للنّاس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر (عمران) تم سب سے اعلیٰ
قوم ہو جو دنیا کی بھلائی کیلیئے بھیجی گئی ہے تمہیں چاہیئے کہ لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرو اور برائیوں
سے روکو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی امام بخاری کی صحیح میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے
ہیں۔ من کان یؤمن باللہ فلیقل خیرًا او لیسکت۔ جو خدا پر ایمان رکھتا ہو اُسے چاہیئے
کہ وہ بھلی بات کرے یا چپ ہو رہے۔ قال کے معنے عربی زبان میں بہت وسیع ہیں زبان کی بات
اور جسم کے فعل دونوں پر آسکتا ہے اس لیئے اسجگہ فلیقل خیرًا کے معنے "بھلی بات کرے"
لکھے ہیں کیونکہ "بات کرنا" قول اور فعل دونوں کے معنے دیتا ہے۔ فلیقل خیرًا کے معنے یہ ہوئے کہ
بھلی بات کہے اور کرے اسلام کی وسیع نفع رسانی کا نبی کریم صلعم نے اور بھی بیان کیا۔ من رای منکرًا
فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف
الایمان۔ جو کوئی بُری بات دیکھتا ہے اُسے چاہیئے کہ اُسے ہاتھ سے درست کردے اور اگر نہ کرسکے
تو پھر زبان سے ہی سہی اور اگر یہ نہ کرسکے تو دل سے بُرا منائے اور یہ نہایت کم درجہ کا ایمان ہے۔ یہ حدیث
صحیحین میں آئی ہے۔ اور ایک حدیث بخاری میں لکھی ہے جس کا یہاں مطلب بیان کیا جاتا ہے
نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ ہر ایک شخص کو کوئی ہمدردی کا کام کرنا چاہیئے لوگوں نے پوچھا کہ اگر نہ کرسکے
فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے کام کرے خود فائدہ اُٹھائے اور دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ کسی نے پھر پوچھا کہ
اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو۔ فرمایا کہ کسی غریب محتاج کو اُسکے کام میں مدد کرے کسی نے پوچھا کہ اگر یہ
بھی نہ کرسکے تو فرمایا کہ نیکی کا حکم کرے اور بدی سے منع کرے اور جو یہ بھی نہ کرسکے تو لوگوں کو اپنے شر سے بچائے
اور یہ اُس کے لیئے نیکی ہوگی۔ ایک اور جگہ بخاری میں فرمایا کہ ایک اچھا کلمہ خیرات کا حکم رکھتا ہے غیر اقوام
کے ساتھ سلوک کرنیکے لیئے یہ جامع تعلیم قرآن شریف میں موجود ہے۔ لا ینھٰکم اللہ عن الذین
لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ
یحب المقسطین انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم
من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولئک ھم الظلمون۔ (ممتحنہ)
اللہ تعالیٰ تمہیں اُن لوگوں کے ساتھ نیکی اور سلوک کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے تمہارے ساتھ لڑائی نہیں کی
اور تمہیں گھروں سے نہیں نکالا اللہ تعالیٰ تو تمہیں اُن لوگوں کی دوستی سے منع کرتا ہے جنہوں نے

تمہارے دین کی وجہ سے تمہارے ساتھ جنگ کی اور تمہارے نکالنے میں مدد کی اور جو کوئی انکی دوستی کرتا ہے وہ ظالم ہے۔ پھر قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا۔ اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی مت کرنا اللہ زیادتی کرنیوالوں سے پیار نہیں کرتا۔ واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا او ردوھا (نساء)۔ جب تم دعا دیئے جاؤ تو اس سے احسن دعا دو یا ویسی ہی۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ (انفال)۔ اگر صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی صلح کر لو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھو یعنی خواہ تمہیں بدعہدی کا خوف ہو اللہ تعالیٰ پر بھروسا کر کے صلح کر لو۔ فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم ان اللہ یحب المتقین (توبہ ۲)۔ جبتک یہ صلح پر پابند رہیں تم بھی رہو اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں سے محبت رکھتا ہے یعنی عہد کے پورا کرنے میں تقویٰ سے کام لو۔ ان آیتوں کے سیاق سباق سے معلوم ہو جائیگا کہ یہ مسلم کا غیر مسلمانوں سے تعلق کے بارے میں ہیں اور اسلام کے اندر تو جنگ ہونی ہی نہیں چاہیئے کیونکہ ایک مسلمان بھائی کا خون اگر کوئی مسلمان بہائے ارادۃً اور بغیر شرعی وجہ کے تو قاتل کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور بھی کئی جگہ مسلمانوں کو کفار کے ساتھ نیکی کا سلوک کرنیکا حکم کرتا ہے اور لا ینھٰکم والی آیت سے جسکو ہم اوپر لکھ چکے ہیں خوب صفائی اور کمال سادگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی جنگوں کا اصل کیا تھا اور کفار کو مسلمانوں سے کس سلوک کی امید رکھنی چاہیئے۔

موجودہ دنیا کی عالمگیر شکایت ہے کہ زبردست قومیں اپنی ماتحت رعایا کے حالات سے آگاہ ہونیکی تکلیف بھی نہیں اٹھاتیں حکومت کا واحد اصول حکمرانوں کا فائدہ تصور کیا جاتا ہے نہ کہ محکوموں کا۔ جو گورنر اپنی گورنمنٹ کی پالیسی اور اغراض کو مدنظر رکھتے ہیں انہیں مدبر کہتے ہیں اور جو لوگوں کی خیرخواہی کا خیال مقدم رکھتے ہیں انہیں حاکم کہتے ہیں۔ گورنمنٹ کے اغراض کو ہمیشہ رعایا کے منفعات پر ترجیح دیجاتی ہے۔ موجودہ گورنمنٹیں حاکم نہیں چاہتیں بلکہ آجکل تو چالاک مدبروں کی بڑی مانگ ہے۔ ہمارے ...... خود غرض زمانے میں کمزور کو تباہ ہونا پڑتا ہے اور دولت کمانیکی سر توڑ کوشش میں جو پیچھے رہ جائیں انہیں بیکسی اور ماندگی کی حالت میں راستہ میں چھوڑ دیا جاتا ہے کہ جنگلی درندے یعنی دنیا کی آفات اُسے نوچ ڈالیں اور تمام نیکی اور انسانیت کے قوانین کو اس زمانے کے خود غرض فلاسفروں نے بالائے طاق رکھدیا ہے اور اس خود غرضی کا نام یہ رکھا ہے کہ جو جینے کے قابل ہو وہ جیئے۔ پھر بھی

ان اللہ لا یحب المعتدین (بقرہ - ۲۴)

یورپی ممالک میں بیکار لوگوں کی کثرت اور اُنکے تقاضے نے ان خود غرض دولتمند فلاسفروں کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ ہمدردی کے کاموں میں حصہ لیں مگر یہ نیکی کے خیال سے نہیں بلکہ اپنی ہی اغراض کے لیئے اور اسکا خوب نقشہ اس فقرے سے ظاہر ہوتا ہے "فقیر کو پیسہ پھینک دو یہ ہمارے امن میں خلل انداز ہوتا ہے" آپ اس ملک کے ساری طول اور عرض میں سفر کر جائیں مگر آپ کو شاذ مالک ایسے نہیں ملیں گے جو اپنے نوکروں پر اعتبار کرتے ہوں یا نوکر جو اپنے مالکوں سے محبت رکھتے ہوں۔ انسان انسان کے درمیان ایک عجیب قسم کی بیگانگی پیدا ہو رہی ہے۔ خیر البشر صلعم نے بہت مدت پہلے ان سب مصائب کو دیکھا ہے اور کیا خوب علاج بتایا ہے۔ اخوانکم خولکم جعل اللہ تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یأکل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکلفوھم ما یغلبھم فان کلفتموھم فاعینوھم۔ جو تمہاری خدمت کرتے ہیں وہ تمہاری بھائی ہیں اللہ تعالیٰ نے انکو تمہارے ماتحت رکھا ہے۔ پس چاہیئے کہ جس کسی کا بھائی اُس کے ماتحت ہو وہ اُسکو ویسا ہی کھانا کھلائے جیسا کہ خود کھاتا ہے اور اُسکو ویسے ہی کپڑے پہنائے جیسے کہ وہ خود پہنتا ہے اور انکو اس قدر کام نہ دو جتنا کہ وہ برداشت نہ کر سکیں اور اگر انکو زیادہ کام دو تو اُنکی اسمیں مدد کرو۔ کام اور مزدوری اور حق اور اجر کے سوالات کو جنہوں نے موجودہ دنیا کو حیران کر رکھا ہے کس خوبی سے نبی کریمؐ نے حل کر دیا ہے۔ ہمارے نوکر اور ---- ہماری رعایا کسی طرح سے اصل یا نسل میں ہم سے ادنیٰ نہیں۔ ہم انسان ہونیکے لحاظ سے سب بھائی ہیں۔ تو یہ نوکری نوکری نہیں بلکہ اعانت اور مدد ہے۔ ہمارا کوئی حق نہیں کہ ہم انسے اسطرح کام لیں جسطرح حیوانوں سے لیتے ہیں اور یہ نوکری اور خدمتگذاری کسی انسان کی زندگی میں کوئی ---- قائم اور دائم دھبا نہیں ہے بلکہ یہ ایک عارضی گرہن ہے۔ جیوانوں کی طرح ترقی اور بڑائی کے دروازے اُنپر بند نہیں ہیں وہ ہر وقت ہماری برابری حاصل کر سکتے ہیں اور اسی لیئے نبی کریمؐ نے فرمایا کہ اُنکے ساتھ بھائیوں کی طرح سلوک کرو۔ اگر اسلام کی کسی مفتوح قوم پر حکومت ہو تو وہ اس قاعدے کے مطابق ہونی چاہیئے۔ ایک دن نبی کریمؐ ایک شخص کا قصّہ سُنا رہے تھے جس نے ایک کُتّے کی جان بچائی تھی کسی نے پوچھا کہ کیا ہمیں حیوانوں کا بھی اجر ملے گا آپ نے فرمایا ہاں ہر ایک جاندار چیز کا اجر ملے گا۔

نبی کریم صلعم کے ذاتی حالات بھی کوئی کم دلچسپ نہیں ہیں۔ انس رضؓ جس نے دس سال تک نبی کریم
کے مدینہ میں وردو سے یوم وصال تک خدمت کی۔ کہتا ہے کہ اس عرصہ میں مجھے کبھی کسی خطا پر
جھڑکا نہیں تھا۔ نبی کریمؐ کی وفات پر انسؓ کی عمر بتیس سال کی تھی۔ نبی کریم کی چالیس سالہ
زندگی قبل از نبوّت بالکل خاموش زندگی معلوم ہوتی ہے آپ میں کوئی بڑا بننے کی طرف توجہ
نہیں معلوم ہوتی بالکل ایک پرائیویٹ صالح زندگی تھی جو راہ تیز طبع عربی نوجوان ترقی اور
عروج کے لیئے عموماً اختیار کرتے تھے وہ شاعری اور فصاحت کے کمالات کی تحصیل ہوتی تھی
اور انہی ذرائع سے اپنے ہموطنوں میں عزت اور قوّت حاصل کر لیتے تھے۔ شاعر ملک کے
ذی عزت سردار کیئے جاتے تھے اور لوگ کسی شاعر کو مدعو کرنا باعث عزت خیال کرتے تھے
قبل اسلام تاریخ عرب کے ماہر اس امر کو خوب جانتے ہیں مگر نبی کریمؐ نے کوئی ایسی راہ اختیار
نہیں کی۔ آپکو نہ شاعری کی طرف رغبت تھی اور نہ ہی کوئی اس قسم کی قابلیت فطرت نے بخشی تھی
قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ اس امر کی گواہی دیتا ہے (وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ
ہم نے اس کو شعر کی تعلیم نہیں کی اور نہ یہ اسکی شان کے لائق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ
میں شاعری کا مادہ ہی نہیں رکھا تھا۔ نبی کریمؐ نے ساری عمر کسی اور کا شعر بھی کبھی نہیں
پڑھا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا منشا رنہ ہوتا تو آپ دنیا سے گمنام ہی چلے جاتے جیسا کہ آپکی اوائل
چالیس سالہ زندگی کی طرز سے معلوم ہوتا ہے اور یہی عمر جوانی کا زمانہ بڑے بڑے ارادوں اور
ترقیات کا وقت سمجھا گیا ہے۔ اس وقت تک انسانی قویٰ تکمیل پا چکتے ہیں اور جو قوتیں
اسوقت تک ظاہر نہیں ہوتیں گویا کہ ہوتی ہی نہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے طوفان جیسے اسکندر رومی
یا تیمور یا نپولین سب جوان تھے نبی کریمؐ کے پاس ذاتی نیکی اور پاکیزہ زندگی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ جب
وحی نازل ہوئی تو آپ بڑے مضطرب ہوئے اور گھر کو دوڑ گئے اور اپنی بیوی کو بلایا اور کہا خدیجہ مجھے کپڑوں سے
ڈھانپ دو میری تو جان بھی خطرہ میں ہے۔ تب آپنے اسے سارا ماجرا سنایا۔ حضرت خدیجہ نے تسلی دی
اور کہا خدا کی قسم خدا تمھیں کبھی ذلیل نہیں کریگا تو صلہ رحمی کرتا ہے یعنی اپنے رشتہ داروں
کے ساتھ سلوک کرتا ہے اور تو مہمان نواز ہے اور تو دکھی کا بوجھ بٹاتا ہے اور تو مصیبت کے وقت میں
نیک صلاحیں دیتا ہے۔ اب جوں جوں وحی آنی شروع ہوئی نبی کریمؐ نے تبلیغ کا کام شروع کر دیا

ساری تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ کائنات میں سے کسی چیز میں بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی ذاتی کمال نہیں اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اپنے قیام اور پرورش کیلئے۔ یہی معنے ہیں لا الٰہ الا اللّٰہ کے عرب کے بُت پرستوں نے اس نئے خیال پر ناک چڑھائی اور سخت مقابلہ کیا اس وقت کی سچی تصویر قرآن شریف کی مکی سورتوں میں پائی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ جو اور...... نبیوں کے حالات کا قرآن شریف میں بیان ہے وہ اصل میں نبی کریم کے حالات کا ہی ایک نقشہ ہے۔ فقال الملأ الذین کفروا من قومہ ما نرٰىك الا بشرًا مثلنا وما نرٰىك اتبعك الا الذین ھم اراذلنا بادی الرای وما نرٰی لکم علینا من فضل بل نظنکم کاذبین قال یا قوم ارایتم ان کنت علٰی بینة من ربی وآتنی رحمة من عندہ فعمیت علیکم۔ انلزمکموھا وانتم لھا کارھون۔ (ہود ۳)

قال یا قوم ارایتم ان کنت علٰی بینة من ربی ورزقنی منہ رزقًا حسنًا ما ارید ان اخالفکم الٰی ما انھٰکم عنہ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔ ویٰقوم لا یجرمنکم شقاقی ان یصیبکم مثل ما اصاب قوم نوح او قوم ھود او قوم صٰلح وما قوم لوط منکم ببعید واستغفروا ربکم ثم توبوا الیہ ان ربی رحیم ودود۔ قالوا یٰشعیب ما نفقہ کثیرًا مما تقول وانا لنرٰىك فینا ضعیفًا ولولا رھطك لرجمناك وما انت علینا بعزیز۔ (ہود ۸)

اتقتلون رجلًا ان یقول ربی اللہ وقد جاءکم بالبینات من ربکم وان یك کاذبًا فعلیہ کذبہ وان یك صادقًا یصبکم بعض الذی یعدکم ان اللہ لا یھدی من ھو مسرف کذاب (مومن ۴) واذ یمکر بك الذین کفروا لیثبتوك او یقتلوك او یخرجوك۔ (انفال ۴) اس کی قوم کے امیر لوگوں نے جو منکر تھے کہا تو تو ہماری طرح ہی ایک انسان ہے اور تیرے پیچھے چلنے والے ظاہر ہم میں سے نہایت ذلیل لوگ ہیں اور تمھیں کوئی ہم پر فضیلت نہیں ہے بلکہ ہمیں خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو اس نے کہا کہ اے قوم تم دیکھتے ہو کہ میں اپنے رب کی طرف سے کھلے کھلے نشان لیکر آیا ہوں اور اس نے مجھے رحمت عطا کی ہے اب تمھاری آنکھیں اسپر اندھی ہوگئی ہیں کیا میں تمھیں زبردستی وہ رحمت دیدوں حالانکہ تم اسے لینا نہیں چاہتے۔ اے میری قوم میں اپنے رب کی طرف سے کھلی کھلی نشان لیکر آیا ہوں اور اس نے مجھے عمدہ رزق دیا ہے اور جو کچھ میں تمھیں کہتا ہوں میں خود بھی

اُسکے خلاف نہیں کرنا چاہتا اور مَیں صرف اصلاح چاہتا ہوں جسقدر کہ مجھ سے ہو سکے اور مجھے اللہ ہی توفیق دیگا اُسی پر میرا بھروسا ہی اور اُسکی طرف مَیں جھکتا ہوں۔ اور اے میری قوم میری دشمنی تمھیں مجرم نہ بنا دے اور ایسا نہ ہو کہ تمھیں بھی نوحؑ اور ہودؑ اور صالحؑ کی قوم کی طرح عذاب پہنچے اور لوطؑ کی بستی تو تمھاری قریب ہی ہی اور اپنے رب سے گناہوں کی معافی چاہو پھر اسی کی طرف رجوع کرو میرا رب رحم کرنیوالا ہی اور بڑا مہربان ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ اے شعیب ہم تیری بہت سی باتیں نہیں سمجھتے اور تجھ کو ہم دیکھتے ہیں کہ تو ہماری سامنے کمزور ہے اور اگر تیری برادری کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تجھ کو پتھروں سے مار دیتے اور تو کوئی ہم پر قادر نہیں ہے (ایک مومن نے کہا) کیا تم ایک شخص کو قتل کرتے ہو اسلیئے کہ اُس نے کہا ہی کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ تمھاری پاس نشان بھی تمھاری رب کی طرف سے لایا ہی اگر یہ جھوٹا ہی تو اس جھوٹ کا وبال اسپر اور اگر یہ سچا ہی تو جو تم کو وعید کرتا ہی اس میں سے بعض تمکو پہنچکر رہیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ جھوٹے بدکار کو کبھی کامیاب نہیں کرتا۔ اور جبکہ منکر تیرے قتل کیلیئے منصوبے کر رہے تھے اور یا تجھے قید کرنا چاہتے تھے اور یا تجھے جلاوطن کرنا چاہتے تھے۔

جب بات اس حد تک پہنچ چکی تھی اور عرب کے سرکش لوگوں کے لیئے تمام علاج بے سود ہو گئے تو یہ مجرم ٹھہرائے گئے تھا چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہی۔ قل انظروا ماذا فی السموات والارض وما تغنی الایات والنذر عن قوم لا یؤمنون فهل ینتظرون الا مثل ایام الذین خلوا من قبلهم قل فانتظروا انی معکم من المنتظرین ثم ننجی رسلنا والذین اٰمنوا کذٰلك حقاً علینا ننج المؤمنین آسمانوں اور زمین میں دیکھو کس قدر نشانات ہیں مگر نہ ڈرانا اور نہ نشان اس بے ایمان قوم کو کچھ فائدہ پہنچاتے ہیں۔ کیا وہ اُن دنوں کا انتظار کرتے ہیں جو اُن سے پہلے بدکار قوموں پر گذر چکے ہیں کہو مَیں بھی تمھاری ساتھ انتظار کرتا ہوں تم بھی منتظر رہو پھر اُس دن ہم اپنے رسولوں اور مومنوں کو بچا لیا کرتے ہیں اور مومنوں کو بچانا ہم پر فرض ہی۔" جب وہ عذاب کی ساعت آئی تو یہ اعلان کیا گیا کداب اٰل فرعون والذین من قبلهم کذبوا بایٰت ربهم فاهلکنٰهم بذنوبهم واغرقنا اٰل فرعون وکل کانوا ظٰلمین ٥ فرعون کے لوگوں اور اُن سے پہلوں کی چال پر انہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کیا تو ہم نے اُنکو ہلاک کر دیا اُنکے گناہوں کی وجہ سے اور ہم نے فرعون کے لوگوں کو غرق کر دیا تھا اور یہ سب ظالم تھے۔

یہ نبی کریم صلعم کی حیات کا ایک مختصر نقشہ ہے اور اگر ہم تمام انبیاء کے حالات کو جو توریت میں لکھے ہیں پڑھیں اور خاصکر حضرت موسیٰ ؑ کے واقعات کو تو ہمیں معلوم ہو گا کہ سب نبیوں کی زندگیں

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل نمونہ کے مطابق واقع ہوئی ہیں مگر عیسائی پھر بھی کہے جاتے ہیں کہ آپ نعوذ باللہ اپنے دعویٰ میں راست باز نہ تھے اگر یہ سچ ہو تو کوئی معیار قائم نہیں ہو سکتا جس سے ایک سچا دعویدار جھوٹے سے پہچانا جا سکے۔ ہمیں اسجگہ اس بات کے ذکر کرنیکی چنداں ضرورت نہیں کہ نبی کریمؐ کے پیرووں کو آپ سے کیا موت و حیات کا تعلق تھا اسکو ہر ایک جانتا اور مانتا ہے۔ ذیل کی عبارت سے جو بخاری سے نقل کیگئی ہے خوب روشن ہوتا ہے کہ آپ کے متبع آپ پر کیسے فدا تھے۔

وفینا رسول اللہ یتلو کتابہٗ ✤ اذا انشق معروف من الفجر ساطع
یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ ✤ اذا استثقلت بالمشرکین المضاجع
ارانا الھدیٰ بعد العمی فقلوبنا بہٖ ✤ مطمئن ان ما قال واقع

یہ اشعار ایک صحابی نے کہے تھے جو بخاری میں نقل کیے ہیں اور یہ نبی کریمؐ کے حالات پر خوب روشنی ڈالتے ہیں۔ انکا مطلب یہ ہے ہم میں خدا کا رسول ہے جو فجر کے وقت اپنی کتاب پڑھتا ہے اور راتیں گذارتا ہے اور اس کے پہلو اس کے بستر سے نہیں چھوتے جبکہ مشرکوں کے بوجھ سے انکے پلنگ ٹوٹ رہے ہوتے ہیں۔ ہمیں اس نے اندھے پن کے بعد ہدایت کا راستہ دکھایا اور ہمارے دل مطمئن ہیں کہ جو اس نے کہا ہے وہ پورا ہو گا۔

نبی کریمؐ کے زندگی کے ذیل کے واقعات آپکے ذاتی اخلاق پر خوب روشنی ڈالتے ہیں اور آپکا برتاؤ نرمی اور خوش خلقی کا نمونہ معلوم ہوتا ہے جیسے کہ قرآن شریف نے فرمایا ہے رحمۃ للعٰلمین یعنی سب جہانوں کیلیے اس رسول کو رحمت کر کے بھیجا ہے۔ انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریمؐ کے ساتھ جا رہا تھا جبکہ ایک اعرابی آیا اور اس نے آپکے گلے میں کپڑا ڈالکر زور سے کھینچا اور میں نے دیکھا کہ اس کپڑے کے نشان آپکے گلے پر پڑ گئے اور اس اعرابی نے یہ کہا کہ اے محمدؐ مجھے بھی کچھ مال دے جو تیرے پاس ہے نبی کریمؐ مسکرائے اور اسے کچھ دینے کے لیے حکم دیا۔ یہ واقعہ نبی کریمؐ کے دنیاوی عروج کے وقت مدینہ میں ہوا (دیکھو بخاری) ایک عورت نبی کریمؐ کے پاس آئی اور اس نے ایک چادر نبی کریمؐ کی خدمت میں پیش کی اور کہا کہ یہ میں نے آپکے لیے اپنے ہاتھ سے بنی ہے نبی کریمؐ کو اس کی ضرورت تھی آپنے اسکو لے لیا اور اسی پاجامہ کی جگہ پہن کر باہر تشریف لائے ایک آدمی نے اس چادر کو چھوا اور کہا کہ یہ مجھے دیدیجئے نبی کریمؐ نے کہا 'اچھا' اور پھر آپ کچھ دیر باتیں کر کے اندر تشریف لے گئے اور اسے وہ چادر بھیجدی۔ لوگوں نے اسکو ملامت کی کہ کیا تو نہیں جانتا تھا کہ

رسول صلعم کو اس چادر کی ضرورت تھی اور وہ کسی سائل کو رد نہیں کرتے تھے اُس نے جواب دیا کہ مینے چاہا کہ میں اس چادر کا کفن اپنے لیئے بناؤں۔ سہل روایت کرتا ہے کہ ایسا ہی ہوا وہ چادر اُس کا کفن بنی۔ (بخاری) بخاری اور مسلم میں سینکڑوں اس قسم کی احادیث ملیں گی جنہیں نبی کریمؐ کے اعلیٰ اخلاق کی جھلک پڑتی ہے اِنکو یہاں اسلیئے نقل کیا ہے کہ تا پڑھنے والے کو آپکے رحم اور محبت جو خلق اللہ کے ساتھ تھی اُسکا اندازہ ہو جائے

بعض دفعہ کہا جاتا ہے کہ رسولِ خدا صلعم قتل انسان کو معمولی بات سمجھتے تھے اور جان کو ضائع کرنے میں دریغ نہیں کرتے تھے۔ یہ بات اصل واقعات سے بہت ہی دور ہے۔ اول تو اللہ تعالیٰ کا حکم قرآن شریف میں موجود ہے من قتل نفساً بغیر نفسٍ او فسادٍ فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً۔ جو شخص بغیر قصاص کے کسی کو مار دے یا بغیر فساد مٹانے کی نیت کے تو گویا اُسنے ساری انسانوں کو قتل کر دیا یعنی ایک شخص کا ناحق قتل ساری مخلوق کے قتل کے برابر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی جان کو نبی کریمؐ کتنا عزیز سمجھتے تھے مگر ذیل کے واقعہ سے نبی کریمؐ کے عمل کا خوب پتہ لگتا ہے۔ مقداد نے نبی کریمؐ کو کہا کہ میں کفار میں سے ایک شخص کو ملا وہ مجھ سے لڑنے لگا اور اُسنے میرا ایک بازو کاٹ دیا اور ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا اور کہا کہ میں خدا کا فرمانبردار ہوا۔ اے رسولِ خدا کیا میں اُسکو قتل کر دوں کیونکہ اُس نے میرا ہاتھ پہلے کاٹا تھا اور یہ کلمہ پیچھے کہا تھا۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ تم اُسکو قتل نہیں کر سکتے کیونکہ اگر تم کرو تو وہ بمنزلہ تمھارے ہوگا جب تم نے اُسکو قتل نہیں کیا تھا اور تم اُس کی جگہ ہوگے جبکہ وہ ایمان نہیں لایا تھا مطلب یہ کہ اگر اُس کو قتل کروگے تو تم کافر ہو جاؤگے۔ یہ بخاری کی حدیث ہے رسول اللہؐ کے اصل لفظ یہ ہیں قال رسول اللہ لا تقتلہ فان قتلتہ فانہ بمنزلتک قبل ان تقتلہ و انک بمنزلتہ قبل ان یقول کلمۃ التی قال۔ اسی قسم کی ایک اور حدیث ہے۔ بعثنا رسول اللہ صلعم فی سریۃٍ فصبحنا الحرقات من جھینۃ فادرکت رجلاً فقال لا الٰہ الا اللہ فطعنتہ فوقع فی نفسی من ذالک فذکرتہ للنبی صلعم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقال لا الٰہ الا اللہ و قتلتہ قال قلت یا رسول اللہ انما قالھا خوفاً من السلاح قال افلا شققت عن قلبہ حتیٰ تعلم اقالھا ام لا فما زال یکررھا علیّ حتیٰ تمنیت انی اسلمت یومئذٍ۔ نبی کریمؐ نے ہمیں ایک قافلے کے ساتھ بھیجا مینے ایک شخص کو پکڑا اور اُس نے لا الٰہ الا اللہ کہا مگر مینے اُسے نیزہ سے مار دیا مگر میرے دل میں خدشہ ہوا اور مینے نبی کریمؐ سے ذکر کیا۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کیا اُسنے لا الٰہ الا اللہ کہا تھا

اور تو نے اُسے قتل کردیا میں نے کہا کہ یارسول اللہ اُس نے یہ میری ہتھیار کے خوف سے کہا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے اُس کے دلکو چیر کر دیکھا تھا کہ اُس نے دل سے کہا ہے یا ڈر سے اور آپ نے اس کلمہ کو اسقدر دُھرایا کہ میں خواہش کرتا تھا کہ میں آج ہی ایمان لایا ہوتا یعنی اپنے کیئے پر اسقدر نادم تھا۔

مسلمانوں کی کفار کے ساتھ ایک جنگ میں ایک کافر نے بہت سے مسلمانوں کو مار دیا پھر وہ ایک مسلمان کی زد میں آیا اور اُس نے تلوار اُٹھائی کہ اس موذی کو قتل کر دے جب اُس نے تلوار سر پر دیکھی تو لا الٰہ الا اللہ کہدیا مگر مسلمان نے ہاتھ نہ تھاما اور کافر قتل ہو گیا۔ پھر وہ مسلمان نبی کریمؐ کے پاس آیا اور سارا واقعہ بیان کیا۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کیا تو نے قتل کیا ہے اُس نے جواب میں بہت سے صحابیوں کے نام لیئے جنکو اُس مقتول نے تہ تیغ کیا تھا نبی کریمؐ نے فرمایا حساب کے دن لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ کیا کرو گے اور آپ اُسکو دُہرلتے رہے۔

ان واقعات سے بہت سے قیمتی نتائج پیدا ہوتے ہیں اول تو یہ کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں داخل ہوتے ہی سب گذشتہ عناد اور جھگڑے بند ہو جاتے ہیں بلکہ لا الٰہ الا اللہ کہتے ہی دشمن دوست بنجاتے ہیں اور یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ نبی کریمؐ اپنے سخت سے سخت مخالفوں کی جان بچانیکی کوشش کرتے رہے جنکو دنیا کا کوئی قانون موت کی سزا سے بچا نہیں سکتا تھا اور یہ بھی کہ نبی کریمؐ کو رات دن تڑپ لگی رہتی تھی کہ کسطرح کوئی روح نجات پا جائے یہانتک کہ قاتل موذی بھی اگر سزا کے وقت لا الٰہ الا اللہ کہدے تو اُسکو بھی چھوڑ دیا جاتا تھا اور یہ بھی ان واقعات سے پتہ لگتا ہے کہ ایمان وہی ہے جو دل سے ہو جنانچہ صحابی کے عذر کی کہ اُس نے دل سے نہیں کہا تھا نبی کریمؐ نے تردید نہیں کی بلکہ یہ کہا کہ تمھیں دل کے حالات کیسے معلوم ہوسکتے ہیں۔ ان سب واقعات پر غور کرنیسے پتہ لگتا ہے کہ نبی کریمؐ کا مسلمان بنانیکا ذریعہ تلوار نہیں تھی بلکہ تلوار تو کسی اور غرض کیلیئے استعمال کی گئی تھی اور وہ غرض ان واقعات سے خوب کھلتی ہے کیونکہ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ کو قتل سے سخت نفرت تھی اور آپ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی جان ضائع ہو۔ آپ نے ایسے مشکل وقت میں میدان کارزار میں صحابی کو ایک سخت دشمن کے قتل کرنیسے منع فرمایا تاکہ کوئی جان بے فائدہ ضائع نہ ہو اور کوئی روح ہدایت پانیسے محروم نہ رہے۔ یہ آپکا کمال رحم تھا۔ ایسا رحم اور ایسی ہمدردی سوائے نبی کریمؐ کے کسی میں نہیں پائی جاتی۔ یورپ کا عام خیال کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے کسی ایسی ہی روایت کی غلط فہمی سے پھیلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اور نبی کریمؐ کے رحم کے نمونے آخری ایام حیات تک ملتے ہیں۔ جب آپکی زندگی کی بڑی کامیابی کا دن تھا جب مکہ فتح ہوا تو آپ نے قریش مکہ کو جو آپ کی جان کے دشمن تھے حضرت یوسفؑ کے الفاظ

میں جو قرآن کریم میں ہیں خطاب کیا۔ جب قریش سے پوچھا گیا کہ تم کس سلوک کی امید رکھتے ہو تو انہوں نے کہا وہی جو یوسف نے اپنی بھائیوں کے ساتھ کیا اور گویا کہا لقد اٰثرك الله علينا وان كنا لخاطئین ۔ خدائے تعالیٰ نے آپکو ہمپر ترجیح دی ہو اور ہم تو غلطی ہی پر رہے۔ نبی کریم نے فرمایا لاتثريب عليكم اليوم يغفر الله لكم وهو ارحم الراحمين ۔ آج تم پر کوئی ہلاکت نہیں خدا تمھیں معاف کرے اور وہ ارحم الراحمین ہے۔

جو آخری لفظ آپ بولے وہ یہ تھے بالرفیق الا علیٰ انگلی سے اوپر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ رفیق اعلیٰ سے اب ملنا ہوگا اگر ہم یہ کہیں کہ نبی کریم کا پیشہ محبت الٰہی تھی تو یہ سچائی کے بہت قریب ہوگا۔ شہروں اور جنگلوں میں کثرت اور قلت غربت اور امارت میں آپ خدا ہی کے نشان دیکھتے تھے۔ جنگوں میں لڑتے ہوئے بھی اور دوستوں میں بیٹھے ہوئے بھی گھر میں لیٹے ہوئے یا اونٹ پر سفر کرتے ہوئے آپکی زبان پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہی جاری رہتی تھی۔ اونٹ پر چڑھتے ہوئے۔ کھانا کھاتے ہوئے یا رات کو سوتے ہوئے سب وقتوں اور سب کاموں میں حمد الٰہی کرتے تھے۔ پہلا لفظ جو سونے سے اٹھکر آپ کی زبان مبارک سے نکلتا تھا وہ بھی حمد الٰہی پر مشتمل ہوتا تھا۔ نبی کریم صلعم کی ہر موقع کی دعائیں اصل الفاظ میں محفوظ ہیں اور ان سے ہم آپکی ذات اور اخلاق اور آپکی محبت کا جو ذات باری سے تھی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ عیسائی کہتے ہیں اسلام محبت کا مذہب نہیں ہے ہم انکو کہتے ہیں کہ اسقدر محبت کے الفاظ جو نبی کریم نے اللہ تعالیٰ کیلیئے ہر موقع پر بولے ہیں تم اپنے مسیح کے کلام میں تو دکھاؤ کوئی اُس کی دعائیں ہی ہوں جن میں اللہ تعالیٰ کو اُس نے پکارا ہو مگر مسیح کے الفاظ جو ہمیں پہنچے ہیں وہ وہی دردناک فقرہ ہے جو صلیب کے موقعہ پر انکی زبان سے نکلا۔ ایلی ایلی لما سبقتانی اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے کیوں مجھے چھوڑ دیا غور کیجئے کیا یہ شاندار لفظ ہیں؟ قرآن شریف فرماتا ہے والذین اٰمنوا اشد حبا لله جو ایمان والے ہیں وہ خدا سے سب سے بڑھکر محبت کرتے ہیں۔ ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ۔ اگر تم خدا سے پیار کرتے ہو تو میری (یعنی رسول اللہ صلعم کی) پیروی کرو خدا تم سے محبت کریگا۔ ظاہر ہے کہ انسان کی زندگی کا بے تعداد محبتوں اور منافعوں پر مدار ہے جو اسے مختلف اشیار کی طرف کھینچتی ہیں۔ بیوی بچوں کی محبت اپنے نفس کی محبت۔ خاندان اور دوستوں کی محبت اور اپنے وطن اور عام انسانوں کے

ساتھ ہمدردی یہ ہر ایک شریف انسان کی زندگی کے ضروری لوازمات ہیں۔ پھر آرام دہ گھر عمدہ خوراک بھی انسان کی ضروریات ہیں اور اگر ہم گننے لگیں تو بے انتہا ضروریات انسانی معلوم ہونگی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ انسان ان میں سے کسی چیز کو بھی چھوڑ سکتا ہے اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ان سب سے یکساں محبت کرتا ہے۔ وقت آتے ہیں جب اُسے ایک کو دوسری کیلیئے چھوڑنا پڑتا ہے۔ چھوٹی اُلفت کو بڑی کیلیئے ترک کرنے کا عام قاعدہ معلوم ہوتا ہے۔ جب مختلف محبتوں کا مقابلہ ہوتا ہے تو یہی قانون کام آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا کہ مجھ سے سب سے بڑھکر محبت کرو اُس کا یہی مطلب ہے کہ سب محبتوں کو خدائے تعالیٰ کی محبت کے نیچے رکھنا چاہیئے۔ دوسرے لفظوں میں ہمیں جس چیز سے محبت ہو وہ خدا ہی کیلیئے ہو۔ ہماری دوستی و دشمنی اور عزت سب خدائے تعالیٰ کیلیئے ہو۔ دنیاوی خواہشات میں بھی اُسی کی رضامندی مدِّنظر ہو۔ اسطرح سے ہماری ادنیٰ خواہشات بھی خدائی رضا کے موجود ہونے سے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جائیں گی۔ نبی کریمؐ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ عن انس عن النبی صلعم ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما وان یحب المرءُ لا یحبہ الا للہ وان یکرہ ان یعود فی الکفر بعد ان انقذہ اللہ منہ کما یکرہ ان یقذف فی النار۔ جس میں تین صفات ہوں وہ ایمان کا مزہ پاگیا۔ یہ کہ اللہ اور رسول سے غیروں کی نسبت بڑھکر محبت ہو۔ اور یہ کہ کسی انسان سے اگر محبت ہو تو صرف اللہ ہی کیلیئے ہو اور یہ کہ کفر میں لوٹ جانے سے ایسا ڈرے جیسا آگ میں داخل ہونے سے ڈرتا ہے۔"

کامل قدرت اور کامل ذات والے خدا کی رضا کے ساتھ کوئی کام بھی ادنیٰ اور کمینہ نہیں۔ وہ جس نے ہمیں نیستی سے ہست کیا ہے آئندہ ترقیات کیلیئے بھی اپنے آپکو اُسی کے سپرد کرنا چاہیئے۔ اُسکی محبت انسان کی محبت سے متعارض نہیں ہے بلکہ انسانوں کی محبت کی صحیح وجہ ہی خدا کی محبت میں ملتی ہے۔ انسانوں سے محبت کے بارے میں نبی کریم صلعم نے فرمایا ہے۔ لا یؤمن احدکم حتّٰی یحب لاخیہ اولجارہ ما یحب لنفسہٖ جو چیز تم اپنے لیئے پسند کرتے ہو وہی تمھیں اپنے بھائی کیلیئے کرنی چاہیئے اور جب تک تم ایسا نہ کروگے تم مومن نہیں بن سکتے۔ ایک عیسائی فقرہ بھی اسی قسم کا مشہور ہے مگر

دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وہ یہ ہے :- "اور لوگوں سے ایسا سلوک کرو جیسا کہ تم چاہتے ہو کہ وہ تم سے کریں"۔ عیسائی قول کے مطابق ایک انسان اپنی ساری عمر بغیر ایک ہمدردی کا کام کرنیکے بھی گذارہ کرسکتا ہے اس سے یہی چاہا گیا ہے کہ وہ بُرائی نہ کرے کیونکہ خودغرض انسان جو مالدار بھی ہے اور کسی کی حاجت بھی نہیں رکھتا اُسے کیا پڑی ہے کہ وہ لوگوں سے ہمدردی کرتا پھرے جب اُسے خود لوگوں کی ہمدردی کی ضرورت نہیں وہ کہتا ہے نہ کوئی ہم سے سلوک کرے اور نہ ہم کسی سے کرتے ہیں۔ قصہ تمام ہوا اور مسیح کے قول کے مطابق وہ پورا عامل ہے۔ اور جرائم کیلئے بھی یہ قانون کوئی مفید نہیں کیونکہ ایسے بدمعاش بھی دیکھے گئے ہیں جو بالکل لاابالی ہوتے ہیں اور وہ کھلے طور پر کہتے ہیں کہ جس کی مرضی ہو وہ جو چاہے ہمارے ساتھ کرے ہم اُسی طرح کریں گے جیسے ہم کرتے ہیں۔ اب مسیح کے قول کے مطابق وہ صحیح طور پر وہی سلوک کر رہے ہیں جو وہ دوسروں سے چاہتے ہیں۔ مگر نبی کریمؐ کا قول کیسا پُرحکمت ہے کہ دوسروں سے ایسا سلوک کرو جیسا تم اپنے نفس کے ساتھ پسند کرتے ہو اب اپنے نفس کے لئے بُرائی تو کوئی بے وقوف بھی نہیں چاہتا۔ پھر جو سلوک ایک انسان دوسرے سے امید کرسکتا ہے اُس میں اور جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اُس میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ مسیح نے ہماری نیکی کو دوسروں کے سلوک پر منحصر رکھا ہے مگر نبی کریمؐ نے فرمایا کہ تم پروا نہ کرو کہ وہ تمہارے ساتھ کیا کرتے ہیں تم انکے ساتھ اپنی جان کی طرح نیکی کرو۔ مسیح کی تعلیم خودغرضی کی طرف مائل کرتی ہے مگر نبی کریمؐ کا قول اعلیٰ درجہ کی بے نفسی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے میں پھر اللہ تعالیٰ کے رحم کی طرف توجہ کرتا ہوں جس پر ہم سب کی نجات کا مدار ہے۔ قرآن شریف میں فرمایا ہے :- اذا جاءك الذين يومنون باياتنا فقل سلام عليكم كتب ربكم على نفسه الرحمة انه من عمل سوءً بجهالةٍ ثم تاب من بعده واصلح فانه غفور رحيم۔ جب وہ لوگ تمہارے پاس آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو اُنکو کہو کہ تمہارے ربنے اپنے اوپر رحمت لکھ رکھی ہے جو کوئی تم میں سے جہالت کے ساتھ بدی کرے اور پھر توبہ کرے اور اصلاح کرے تو اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے۔ پھر فرمایا ہے۔ قل لعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعًا۔

میرے اُن بندوں کو کہدو جنہوں نے خطا کاری کی ہے کہ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوں
اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دیگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی مضمون کو
بیان کیا ہے۔ بخاری میں آیا ہے جس کا ترجمہ بیان کیا جاتا ہے۔ "دکیا تم نے دیکھا
کہ ماں بچے کو کس طرح دودھ دیتی ہے مگر ہمارا خدا اُس سے بھی زیادہ مہربان ہے اور
اُس کی رحمت قیامت کے دن سوگنا ہوگی"

اطلاع

چودھری غلام سرور قانونگوے۔ اور قاضی محمد عبداللہ منشی ضلعداری سرگودہ نے محض خدا
کی خوشنودی اور سلسلہ کی خدمت کی خاطر احمدی احباب سے چندہ فراہم کرنیکی تکلیف گوارا فرمائی ہے
خدائے تعالیٰ اُنکو جزائے خیر عطا فرماوے۔ اس غرض کیلئے چھپی ہوئی مجلد رسید بکیں اُنکو دیگئی
ہیں۔ امید ہے کہ احباب چندہ کی وصولی میں اُنکی مدد فرماویں گے جو چندہ دیں گے اُنکو اُنکی تسلی کیلئے چھپی
ہوئی رسید دیں گے جس کا مثنیٰ کاپی میں انکے پاس رہے گا۔ محمد علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

ریویو

احمدی۔ اس نام کا ماہوار رسالہ جس کا اشتہار اس میگزین میں پہلے شائع ہو چکا ہے مولوی قاسم علی صاحب
ایڈیٹر الحق دہلی تراہا بہرام خان نے جاری کیا ہے اس کا پہلا نمبر شائع ہو چکا ہے اس کا اصلی مقصد
سلسلہ احمدیہ کے اندرونی مخالفوں کے اعتراضوں کا مفصل ومدلل جواب دینا ہے۔ پہلے نمبر میں آجکل کے
مولویوں کا حسب پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل یہود ہونا مدلل طریق سے ثابت کیا ہے قیمت سالانہ عہ
نظم براہین احمدیہ حصہ پنجم ا۔ براہین احمدیہ حصہ پنجم کی ۵۰۰ سے زیادہ اشعار کی نظم کو جو حضرت
اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے کے ثبوت میں ایک اعلیٰ درجہ کی نظم اردو زبان میں ہے
محمد یسین و محمد یمین تاجران قادیان نے الگ خوشخط لکھواکر شائع کیا ہے۔ احمدیوں کے لیئے
اس کا پڑھنا موجب ازدیاد ایمان ہے اور غیر احمدیوں میں اسکی اشاعت بہت مفید ہے

قیمت فی کاپی ا ر
۲۰ کاپی کی قیمت عہ ر

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

صدر انجمن احمدیہ کا سالانہ جلسہ :- چونکہ سال گذشتہ کے جلسہ میں جو اپریل میں تعطیلات ایسٹر میں ہوا تھا احباب کو بہت سی دقتیں تھوڑے دن ملنے کی وجہ سے پیش آئی تھیں اسلئے مجلس معتمدین نے اس دفعہ دسمبر میں ہی جلسہ کے ہونیکا فیصلہ کیا ادھر ریل کے کرایہ میں گذشتہ سال کے برابر تخفیف بھی منظور ہو گئی۔ جلسہ کی تاریخیں ۲۵-۲۶-۲۷ دسمبر قرار دی گئیں۔ اس اعلان کے بعد حضرت خلیفۃ المسیحؑ کو گھوڑے سے گر جانیکی وجہ سے چوٹیں آئیں اور آپکی طبیعت ایسی ناساز ہوئی کہ آپ چارپائی سے اُٹھ بھی نہ سکتے تھے۔ آپکی اس علالت کی وجہ سے یہ خیال ہوا کہ بہتر ہو حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی صحت یابی تک جلسہ کو ملتوی کر دیا جاوے چنانچہ آپکی خدمت میں عرض کیا گیا مگر آپنے پسند فرمایا کہ اب کسی قسم کی تبدیلی اعلان میں کیجاوے اس کی وجہ وہی تڑپ ہے جو آپکے دل میں رکھی گئی ہے کہ کسی نیک نصیحت سے کسی متنفس کو فائدہ پہنچ جائے۔ کیونکہ فرمایا کہ آئندہ کی کیا خبر ہے۔ اس حالت میں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کچھ تکلیف اُٹھا کر بھی کوئی نیک کلمہ لوگوں کے کانوں تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ مہمانوں کی آمد ۲۲ دسمبر سے ہی شروع ہو گئی۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی علالت طبع کی وجہ سے پروگرام کی کوئی تعیین نہ ہو سکی۔ جلسہ کے پہلے دن یعنی ۲۵ دسمبر کو سب احباب نماز ظہر و عصر سے فراغت کے بعد مدرسہ تعلیم الاسلام کے صحن میں جمع ہو گئے۔ اور اسی جگہ بہت سی تکلیف اُٹھا کر حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے ایک تقریر فرمائی جو اعلیٰ درجہ کی نیک نصائح اور پاکیزہ اخلاق کو اپنے اندر لئے ہوئی تھی۔ یہ تقریر گو اخبار بدر میں شائع ہو چکی ہے مگر مزید اشاعت کے لئے اسے اس جلسہ کی رپورٹ میں بھی درج کیا جاتا ہے۔ ۲۵ دسمبر کو جلسہ کی کارروائی اسی پر ختم ہوئی۔ ۲۶ دسمبر کا جلسہ دار العلوم کے میدان میں ہوا۔ ساڑھے دس بجے صبح کے سب احباب مسجد نور میں جمع ہو گئے اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے دو گھنٹہ تک تقریر فرمائی اسکے بعد نماز ظہر و عصر جمع کر کے پڑھی گئی۔ نماز کے بعد اول جناب میر حامد شاہ صاحب نے اپنی نظم سنائی اور اس کے بعد جناب خواجہ کمال الدین صاحب وکیل کی تقریر ہوئی۔ یہی وقت رپورٹ سالانہ کے سنانے کا بھی تھا مگر وقت تھوڑا ہونیکی وجہ سے رپورٹ کے متعلق اسیقدر کافی سمجھا گیا کہ موٹی موٹی رقوم آمد و خرچ سے خواجہ صاحب ہی اپنی تقریر کے اثنا میں احباب کو مطلع فرما دیں جن میں کل آمد قریباً ننانوے ہزار اور خرچ قریباً چورانوے ہزار دکھایا گیا۔ خواجہ صاحب کی تقریر کے آخر میں کسیقدر چندہ بھی ہوا۔ چونکہ اس سال کے اثنا میں تعمیر کے چندہ کیلئے احباب کو بہت کچھ کوشش کرنی پڑی تھی اس لیے جلسہ کے موقعہ پر مستقل سرمایہ کے چندہ یا کسی اور چندہ

کیلئے کوئی خاص تحریک کی جانی مناسب نہیں سمجھی گئی تاہم ایام جلسہ میں سات ہزار روپے کے قریب دفتر محاسب میں آیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک ۔ ۲۷ دسمبر کی صبح کو حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب کا وعظ جامع مسجد میں ہوا اور نماز ظہر و عصر کے بعد پھر سب احباب صحن مدرسہ میں حضرت خلیفۃ المسیحؑ سے ملاقات کیلئے حاضر ہوئے۔ آپ پالکی میں تشریف لائے اور گو ۲۶ دسمبر کو زیادہ دیر تک بلند آواز سے تقریر کرنے اور کثرت سے احباب سے ملاقات اور مصافحہ کی وجہ سے آج کے دن آپکی طبیعت ایسی کمزور تھی کہ ڈاکٹر صاحبان نے بھی مشورہ دیا تھا کہ آپ بولیں نہیں مگر پھر بھی اس دردمند دل نے اپنی تکلیف کی پروا نہ کر کے چند کلمات جماعت کو سنائے۔ اسکے بعد میر عابد علی شاہ صاحب نے مختصر طور پر چند باتیں فرمائیں اور پھر مسجد مبارک میں کانفرنس انجمنہائے احمدیہ کا اجلاس ہوا۔ کانفرنس میں اہم امر جو طے ہوا وہ مجلس معتمدین کا یہ رزولیوشن تھا کہ جملہ انجمنہائے احمدیہ یہ کوشش کریں کہ ہر ایک احمدی دوست اپنی ماہوار آمد میں سے کم از کم بحساب دو پیسے فی روپیہ چندہ چار مدات یعنی لنگر خانہ۔ مدرسہ تعلیم الاسلام۔ مدرسہ احمدیہ۔ اور اشاعت اسلام کیلئے دیں اور ایسے معاونین کی تعداد کو دس ہزار تک پہنچانیکی کوشش کی جاوے۔ یہ بھی قرار پایا کہ سب انجمنیں تین ماہ کے اندر اندر ایسے معاونین کی فہرستیں تیار کر کے دفتر صدر انجمن احمدیہ میں بھیج دیں اور اس چندہ کی باقاعدہ وصولی ہوتی رہے جو چندہ اس طرح پر آئیگا وہ دفتر محاسب صدر انجمن احمدیہ میں ان جملہ مدات میں تقسیم ہو کر داخل ہو جایا کریگا۔ اور انجمنوں کو اپنی اپنی جگہ تقسیم مدات کی ضرورت نہیں ہوگی اور حساب میں آسانی ہوگی۔ نیز کانفرنس نے جملہ انجمنوں کو قواعد شاخہائے صدر انجمن احمدیہ کی پابندی کی طرف توجہ دلائی۔ اس کانفرنس کے بعد نماز مغرب ہوئی اور اس کے بعد جملہ سکرٹری و پریذیڈنٹ صاحبان انجمنہائے احمدیہ جو کانفرنس میں جمع تھے حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس جگہ پھر آپ نے اتفاق اور وحدت کی طرف توجہ دلائی اور باہمی نزاع اور فساد کے بد نتائج سے ڈرایا۔ عہدہ داروں کو سمجھایا کہ انکے فرائض کس قدر نازک ہیں اور انکو ہدایت کی کہ وہ دوسروں کیلئے نمونہ بنیں۔ گو اعلان کے مطابق ۲۷ دسمبر کو سالانہ جلسہ ختم تھا مگر دو نہایت ضروری لیکچر ۲۸ دسمبر کی صبح کو ہوئے یہ دونوں تقریریں پشتو زبان میں تھیں۔ اور غرض انکی یہ تھی کہ جو افغان لوگ علاقہ کابل اور سرحد سے آئے ہوئے تھے اور ان میں سے بعض ایسے تھے جو اردو کی تقریروں سے فائدہ نہ اٹھا سکتے تھے انہیں بھی کچھ سنا دیا جاوے۔ چنانچہ ان تقریروں میں جن میں سے پہلی تقریر جناب خواجہ کمال الدین صاحب کی تھی اور دوسری ملا سید احمد نور صاحب کی۔ ہر دو صاحبان

نے حاضرین کو فوائد و برکات برٹش گورنمنٹ سے آگاہ کیا اور یہ سمجھایا کہ سلسلہ احمدیان تمام خیالات کا استیصال کرتا ہے
جو جہاد کے متعلق خصوصاً سرحدی لوگوں اور افغانوں کے دلوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور یہ بتایا کہ کس طرح پر اس گورنمنٹ کے
نیچے ہمیں وہ مذہبی آزادی حاصل ہے جو اسلامی سلاطین کے نیچے ہمیں نہیں مل سکتی۔ یہ جلسہ کی مختصر کیفیت
ہے۔ مہمانداری کے انتظام میں بہت سے احباب نے نہایت سرگرمی اور جوش سے کام کیا۔ بیرونی احباب میں سے
اس دفعہ صرف مولوی عمر الدین صاحب مدرس صریح اور ان کے ساتھی تھے جن کے سپرد کھانا پکوانے کا انتظام تھا۔
جزاہم اللہ خیراً۔ آئندہ کیلئے تجویز ہے کہ باہر کے احباب کو زیادہ حصہ اس کام میں دیا جاوے اس سے یہ بھی فائدہ
ہوگا کہ وہ اپنی اپنی جماعتوں کی ضرورتوں کو بہتر سمجھیں گے اور اس طرح پر شکایت کا موقعہ کم ہوگا۔ مدرسین
میں سے ماسٹر عبد العزیز صاحب اور منشی اکبر شاہ خاں صاحب نے قابل تعریف مستعدی سے کام کیا گو محنت
اور جانفشانی سے تو سب ہی کام کرتے ہیں مگر بٹالہ میں مہمانوں کے استقبال اور انکی آسائش کا انتظام
اس ساری کام میں ایک ایسا حصہ ہے جس میں بہت سے دینی فوائد کی بھی قربانی کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ اس جگہ
جانیوالے احباب عملی طور پر جلسہ میں شامل نہیں ہو سکتے۔ اس لیئے اس فرض کے ادا کرنے میں بہت
سے احباب کو معذوریاں پیش آجاتی ہیں۔ ماسٹر عبد العزیز صاحب نے دلی خلوص سے اس کام کو اپنے ذمہ لیا
اور میاں غلام قادر و منشی غلام محمد وغیرہ دیگر احباب انکے ساتھ شامل ہوئے جزاہم اللہ خیراً۔ میں اس بات
کا ذکر کیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جب بعض احباب نے بٹالہ جانے میں عذر کیا تو قاضی امیر حسین صاحب نے
نہایت خوشی سے اس کام کو اپنے ذمہ لینا چاہا مگر چونکہ کھانا پکوانے کے انتظام میں انکی یہاں بھی ضرورت تھی
اسلیئے قاضی صاحب کو اسی جگہ رکھا گیا۔ قاضی صاحب کا نمونہ ہماری بہت سے دوستوں کے لیئے قابل تقلید ہے۔
قادیان میں مہمانوں کے استقبال اور انکے اسباب وغیرہ کو اتار کر ڈیروں میں پہنچانیکا کام اور پھر کھانا کھلانے
میں مدد دینے کا کام منشی اکبر شاہ خان صاحب اور انکے ساتھ کے نوجوان طالبعلموں نے قابل تعریف
مستعدی سے کیا۔ ایسا ہی منشی برکت علی صاحب و میاں فخر الدین صاحب و ماسٹر فقیر اللہ صاحب
و شیخ عبد الرحمن صاحب قادیانی نے بھی شب و روز محنت اور جانفشانی سے مہمانوں کی آسائش کے
لیئے ہر طرح سے کوشش کی۔ روشنی کا انتظام ماسٹر محمد دین صاحب کے سپرد تھا اور پانی کا میاں شادیخان صاحب
کے اور دونوں صاحبوں نے اپنے فرائض کی ادائگی میں پوری سرگرمی سے کام کیا۔ حساب کتاب
جلسہ کا کام شیخ محمد نصیب صاحب محرر اول دفتر سکرٹری کے سپرد تھا۔ اور انہوں نے قابل قدر محنت

اور دیانت سے اس کام کو سرانجام دیا۔ اور کسی قسم کی تکلیف کو تکلیف نہیں سمجھا۔ باورچی خانہ کیلئے اشیاء مہیا کرنیکا کام حکیم محمد عمر خاں صاحب کے سپرد تھا اور ان کے ساتھ سیکھواں کے مخلص اور محنتی دوست میاں امام الدین۔ میاں جمال الدین اور میاں خیر الدین اور بعض اور احباب تھے۔ جو کھانا کھلانے میں بھی مدد دیتے رہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب احباب کو اور ان دوسرے احباب کو جن کے نام طوالت کے خوف سے میں لکھ نہیں سکتا بہت بہت جزائے خیر دے اور انکی ہمت اخلاص اور جوش میں برکت دے آمین۔ ہاں ایک امر کا اظہار ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مہمانوں کی تعداد کی کوئی تعیین نہ ہوسکنے سے منتظمین کو بہت سی مشکلات ہوتی ہیں۔ ہمارے مہمان خدا کا شکر ہے کہ اس بات کو سمجھتے ہیں اور اگر کوئی تکلیف بھی پیش آجائے تو اسے خوشی سے برداشت کرتے ہیں۔ چونکہ جو لوگ انکی مہمانداری کا انتظام کرتے ہیں وہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے ہے میں امید کرتا ہوں کہ اگر کوئی نقص بھی کثرت کار کی وجہ سے ہو جاوے تو وہ وسعت حوصلہ سے کام لیکر ان احباب کیلئے دعائے خیر کریں گے۔

اس مختصر کیفیت کے بعد میں اس نہایت ضروری چٹھی کی طرف سب احباب کو توجہ دلاتا ہوں جو علیحدہ چھپوا کر مختلف انجمنوں میں جا چکی ہے۔ اور یہ استدعا کرتا ہوں کہ جہاں کہیں ہماری دوست ہوں وہ اس تجویز کو جو اس چٹھی میں درج ہے بہت جلد عملدرآمد میں لانیکی کوشش کریں۔ وہ چٹھی اگلے صفحہ پر درج ہے۔

تعمیر فنڈ:۔ بورڈنگ ہوس کی عمارت جسے جلسہ پر آئے ہوئے احباب دیکھ چکے ہیں تکمیل کیلئے بہت سا روپیہ چاہتی ہے اسکے لئے میں پھر بھی جملہ انجمنوں اور سب احباب کی خدمت میں یہ اپیل کرتا ہوں کہ ایک ماہ کی سالم تنخواہ والی تجویز کی طرف بہت جلد توجہ کیجاوے۔ ابھی ہمارے دوستوں میں کثرت سے ایسے احباب ہیں جنہوں نے تعمیر کا چندہ اس تجویز کے مطابق ادا نہیں کیا۔ سب انجمنیں بہت جلد توجہ کریں۔

مدرسہ احمدیہ۔ مدرسہ احمدیہ کی بنیاد رکھے جانے پر بعض احباب نے خاص اس مد کیلئے چندوں کے وعدے کیے تھے جبتک کہ اس چٹھی پر جو ساتھ شائع کیگئی ہے عملدرآمد ہو۔ مدرسہ احمدیہ احباب کی خاص توجہ کو چاہتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح کی طبیعت ابھی تک علیل چلی جاتی ہے۔ اصل زخم اچھا ہو گیا تھا مگر قریب ہی یعنی جبڑے کی ہڈی کے نیچے پھر پیپ ہو گئی۔ آج ۱۶ جنوری کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسپرڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے بڑی کامیابی سے اپریشن کیا۔ سب احباب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس نافع وجود کو شفائے عاجل اور کامل عطا فرماوے۔ آمین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

مکرم بندہ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کانفرنس انجمنہائے احمدیہ کے اجلاس منعقدہ ۲۷۔ دسمبر ۱۹۱۰ء میں منجملہ اور امور کے جو پیش ہوئے ایک اہم امر مجلس معتمدین کی یہ تجویز تھی کہ جملہ انجمنہائے احمدیہ یہ کوشش کریں کہ انکے سب ممبران کم از کم بحساب دو پیسے فی روپیہ اپنی ماہوار آمد میں سے سلسلہ کی چار بڑی مدات یعنی لنگرخانہ۔ ہائی سکول۔ مدرسہ احمدیہ اور اشاعت اسلام کیلئے چندہ دیں۔ اور کہ ایسی معاونین کی تعداد کو دس ہزار تک پہنچانیکی کوشش کیجاوے جس جوش اور اخلاص سے مختلف انجمنوں کے سکرٹری یا پریزیڈنٹ صاحبان نے اس موقعہ پر اس تجویز کی تائید کی اس سے مجھے یقین ہوتا ہے کہ کانفرنس کی اس کارروائی کی بنا پر جو اپیل میں آپ کی خدمتمیں اسوقت کرتا ہوں وہ بے سود نہ ہو گی۔

گذشتہ سال کی آمد پر جب میں نظر کرتا ہوں جس کی اطلاع مفصل عنقریب آپ کو بذریعہ مطبوعہ رپورٹ پہنچیگی تو اس میں چار مدات مذکورہ بالا کی کل آمد اس سال کی ۰-۸-۲۰۱۵۹ نظر آتی ہے جسمیں سے نصف سے کچھ زیادہ یعنی ۳-۷-۱۰۵۲۲ لنگرخانہ کی آمد ہے اور نصف سے کچھ کم باقی تینوں مدات کی تعلیم الاسلام ۶-۸-۴۹۳۵ اشاعت اسلام ۹-۱۱-۳۴۱۷ مدرسہ احمدیہ ۶-۱۲-۱۲۷۳- ان میں سے دو مدات ایسی ہیں جنکی آمد کا ذریعہ سوائے چندہ کے کچھ نہیں یعنی لنگرخانہ اور مدرسہ احمدیہ۔ اور دوسری دو مدات یعنی تعلیم الاسلام ہائی سکول میں علاوہ چندہ کے سرکاری گرانٹ۔ عید فنڈ۔ فیس کی آمد اور اشاعت اسلام میں فروخت رسالہ کی آمد علاوہ چندہ کے ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے جیسا کہ رپورٹ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ہائی سکول کو چھوڑ کر جسکو مختلف قسموں کی مد پہنچنے سے دوسرے ذرائع سے خاصی آمد ہو جاتی ہے یعنی چار ہزار روپے کے قریب فیس کی آمد اور تین ہزار سے اوپر سرکاری گرانٹ اور عید فنڈ کی آمد۔ باقی تینوں مدات میں خرچ آمد سے بڑھا رہا۔ اسطرح پر کہ اشاعت اسلام میں خرچ آمد سے ۹۸۷ زیادہ ہے۔ مدرسہ احمدیہ میں ۱۱۹۹ اور لنگرخانہ میں ۱۰۲۵- یہ تو گذشتہ کیحالت ہے اور آیندہ کیلئے اس سے بھی زیادہ مشکلات نظر آتی ہیں ایک مدرسہ احمدیہ کے لیئے ہی ۵۹۴۴ یعنی قریباً چھ ہزار روپیہ خرچ کا اس سال میں بکار ہے۔ اور یہ خرچ سوائے چندہ کے اور کسی طرح پورا نہیں ہو سکتا۔ ادھر آمد کا اگر یہی حال رہے تو بارہ تیرہ سو سے بڑھنے کی امید کم ہے۔ یہی وہ حالات ہیں جنپر غور کر کے گذشتہ سے پیوستہ سال کی رپورٹ میں اس امر کی طرف احباب کو توجہ دلائی گئی تھی کہ "اگر ہم انجمنوں کے ذریعہ صرف دس ہزار آدمیوں سے بھی باقاعدہ چندہ وصول کر سکیں اور یہ دس ہزار آدمی عہد کر لیں کہ وہ اپنی آمد میں سے دو پیسے فی روپیہ اس سلسلہ کی

اغراض لنگرخانہ مدرسہ احمدیہ و اشاعت اسلام کیلئے دیدیں گے تو پانچہزار روپے ماہوار یا ساٹھہزار روپے سالانہ کی مستقل آمد اس ذریعہ سے ہو سکتی ہے" اب ایک اور سال کا تجربہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ہمیں اس تجویز کو عملی رنگ میں لانیکے لیئے کوئی دن کیا کچھ گھنٹے بھی ضائع نہیں کرنے چاہییں۔ اور جسطرح ممکن ہو اس تجویز کو عملی جامہ بہت جلد پہنانا چاہیئے۔ مجلس معتمدین اور پھر کانفرنس انجمنہائے احمدیہ نے بھی اس ضرورت کو سخت محسوس کیا ہے اور اس لیئے ان سب باتوں کو آپ کی خدمتمیں پیش کرکے میں یہ درخواست آپکی خدمتمیں کرتا ہوں کہ آپ اس امر کو کسی قریب تر اجلاس انجمن میں پیش کرکے ان سب احباب کو جو اس سلسلہ میں شامل ہیں پُرزور تحریک کریں کہ وہ اس تجویز پر کاربند ہوں۔ مانا کہ ہماری کوئی قہری حکومت نہیں۔ ہم کسی کو مجبور نہیں کر سکتے کہ ضرور اتنا چندہ دو اور وعدہ کرکے وقت پر نہ دیں تو ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں کہ ہم جبراً اس موعودہ رقم کو بھی وصول کر سکیں۔ لیکن کیا اس سلسلہ میں جو لوگ داخل ہوتے ہیں وہ جبراً ہوئے ہیں۔ یا اب انکو کوئی مجبور کر سکتا ہے کہ وہ اس میں شامل رہیں۔ ہمارے جو احباب انشراح صدر سے اس سلسلہ میں شامل ہیں۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ سب احباب انشراح صدر سے ہی اسمیں شامل ہیں۔ کیا وہ اس بات سے ناواقف ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس سلسلہ کو اس زمانہ میں قائم کرنیکی غرض ہے ہی خدمت اسلام۔ اگر اس میں ہوکر بھی ہم خدمت اسلام میں حصہ نہیں لیتے تو عملی رنگ میں ہم اس سلسلہ میں نہیں کہلا سکتے۔ اور فرضی طور پر ایک ایسے سلسلہ میں رہنے سے کیا حاصل کیا ہے جو دنیا کی طرف سے مورد طعن و ملامت ہو رہا ہے اور تکفیر کا نشانہ بن رہا ہے۔ ایمانی رنگ میں یہ ماننا کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے اور وہی مسیح اور مہدی تھے جسکے آنیکا وعدہ دیا گیا تھا اور عملی رنگ میں اسلام کی خدمتمیں لگے رہنا یہ دونوں امر سلسلہ میں شمولیت کے لیئے ضروری ہیں جیسا کہ اگر یہ سلسلہ خدانخواستہ خدمت اسلام کے کام کو چھوڑ دے تو پھر یہ مسیح موعودؑ کا سلسلہ نہیں کہلا سکتا۔ اسی طرح پر اگر کوئی شخص اس سلسلہ میں شامل ہوکر خدمت اسلام کے کام کو چھوڑتا ہے۔ تو وہ بھی عملی طور پر سلسلہ میں داخل نہیں کہا جا سکتا۔ خدمت اسلام کے کیا کیا پہلو ہیں انکی بنیاد خود بانی سلسلہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رکھدی ہے۔ اور انہی کاموں میں حصہ لیکر ہم عملی طور پر اس سلسلہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ انہی کاموں کو چلانیکے لیئے ایک یہ تجویز ہے جو اسوقت آپ کی خدمتمیں پیش کیجاتی ہے۔

دو پیسے فی روپیہ اپنی آمد میں سے اس سلسلہ کے لیئے کاٹ دینا کوئی ایسی درخواست نہیں

جسے غریب سے غریب شخص بھی جو اس سلسلہ میں شامل ہو پورا نہ کر سکتا ہو۔ یہ کوئی جان کی قربانی نہیں
کوئی عزت و وجاہت کی قربانی نہیں۔ ان بڑی بڑی دنیوی امیدوں کی قربانی نہیں جو ہر ایک دل
میں ہوتی ہیں۔ ہاں ایک مالی قربانی ہے اور وہ بھی بہت چھوٹے پیمانہ پر۔ مگر یاد رکھو کہ اس تمھاری
چھوٹی سی قربانی سے دنیا میں عظیم الشان کام ہو سکتے ہیں۔ کتنی چھوٹی سی بات ہے کہ جو شخص سولہ
روپیہ ماہوار کماتا ہے وہ یہی سمجھے کہ میں سولہ نہیں ساڑھے پندرہ کماتا ہوں۔ جو بتیس روپے
کماتا ہے وہ اپنے نفس کو آسانی سے سمجھا سکتا ہے کہ میں بتیس نہیں اکتیس کماتا ہوں۔ یاد رکھو
کہ اس چھوٹے سے حصہ کے کاٹ دینے میں تمھارا نقصان کوئی نہیں اور فائدے بہت سے ہیں
اس حصہ کے خدا کی راہ میں خلوص نیت سے کاٹ دینے سے تمھارے اموال پاک ہو جائیں گے اور
انہیں برکت ہوگی تمھارے ایمان عملی رنگ اختیار کر کے مضبوط ہو جائیں گے۔ تم انصار اللہ کہلاؤ گے
تم دنیا میں بڑے بڑے کاموں کو سرانجام دیکر ایک بڑی قوم بن جاؤ گے۔ تم اللہ کے نزدیک اجر و
ثواب کے مستحق ٹھہرو گے۔ تم سے پہلے ان لوگوں نے جنکے نقش قدم پر تمھیں چلنے کا دعویٰ ہے وہ
وہ قربانیاں کر کے دکھائی ہیں کہ مالوں، گھروں، جائدادوں، قریبیوں، رشتہ داروں، عزت و
وجاہت سب کچھ قربان کر کے آخر جانیں بھی قربان کر دیں۔ انکے نام آسمان پر روشن ستاروں
کی طرح دنیا کی آخر تک چمکیں گے۔ ان مثالوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو۔ اور اسی راہ پر قدم
مارنے کی کوشش کرو۔ اگر تم میں سے وہ اشخاص ہیں جنہوں نے اپنی کل کی کل امیدوں کو
خدا کی راہ میں قربان کر دیا۔ یا جنہوں نے اپنے مالوں کے بڑے حصے کو خدا کی راہ میں صرف کر دیا
تو تم خود ہی غور کر کے دیکھ لو کہ آیا وہ فی الواقع دنیا میں غریب اور ذلیل ہو گئے اور معیشت
کی تنگی ان پر وارد ہو گئی؟ اور اگر تم میں سے وہ اشخاص ہیں جنہوں نے اپنے مالوں کے کسی
معتد بہ حصہ کو اس راہ میں آج تک صرف نہیں کیا تو کیا وہ اس کے نہ دینے سے دنیا میں
معزز اور امیر بن گئے ہیں؟ یہ مال جو تم کماتے ہو یہ تو کسی نہ کسی طرح فنا ہوتے چلے ہی
جاویں گے مبارک ہے وہ جو انکے کسی حصہ کو قربان کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہی وہ حصہ ہے
جو بیج کی طرح بویا جاتا ہے اور جو آخر کار وہ ثمر لاتا ہے جو انسان کے وہم و گمان میں بھی
نہیں ہوتا۔ پس اب بھی گذشتہ نقصان کی تلافی کے لئے کمر بستہ ہو جاؤ۔ ہمت کے آگے

سب مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔

یاد رہے کہ اس تحریک سے یہ غرض ہے کہ (۱) جو احباب ابتک چندہ نہیں دیتے یا دو پیسے فی روپیہ یعنی اپنی آمد کے بتیسویں حصہ سے کم چندہ دیتے ہیں انسے کم ازکم اس حساب سے چندہ لیا جاوے نہ یہ کہ جو احباب اب زیادہ چندہ دیتے ہیں وہ اسے کم کر دیں۔ (۲) چندہ کی وصولی باقاعدہ ماہوار ہو جاوے دینے والے بھی یہ کوشش کریں کہ مہینہ کے مہینہ اس رقم کو شروع سے ہی کاٹ کر الگ کر دیں اور وصول کرنیوالے بھی یہ کوشش کریں کہ وہ دوسرے مہینہ تک بقایا نہ رہنے دیں کیونکہ اسطرح سے دینے والے کے لیئے مشکل ہو جاتا ہے (۳) نئی فہرستیں اگر ممکن ہو تو ۳۱ جنوری تک ورنہ اخیر فروری تک ضرور دفتر سکرٹری میں پہنچ جانی چاہییں تاکہ یہاں بھی حساب کتاب جملہ چندہ دہندگان کا کھول دیا جاوے اور بقایا وغیرہ کا مطالبہ کیا جا سکے۔

نوٹ جو احباب وصیت کے رو سے دسواں حصہ آمد دیتے ہیں ان کے سب چندے اسی دسویں حصہ میں شامل سمجھے جاویں گے۔

نوٹ:۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ اس جلسۂ انجمن میں سب احباب کو جمع کرنیکی کوشش کی جاوے اور جو نہ شامل ہو سکیں۔ انکو اس تجویز میں شامل کرنے کے لیئے ہر ایک انجمن میں سے ایسے تین مستعد احباب جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ یہ جوش ڈالے انکے پاس گھروں میں جاویں اور حتی الوسع یہ کوشش ہو کہ کوئی فرد اس سے باہر نہ رہے۔ والسلام

خاکسار
محمد علی

سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

مورخہ ۱۰ جنوری سنہ ۱۹۱۱ء

فہرست مضامین رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو بابت سال ۱۹۱۱ء

قادیان ضلع گورداسپور سے ہر مہینہ کی ۲۰- تاریخ کو صدر انجمن احمدیہ کے

اہتمام سے شائع ہوتا ہے